العطایا الالهیة فی الفتاویٰ البرکاتیة

المعروف ب

فتاویٰ برکات

حصہ ششم

مصنف

قاضی القضاۃ تاج الاسلام مفتی اعظم نیپال

حضرت علامہ مفتی جیش محمد صدیقی، برکاتی دام ظلہ العالی

صاحب سجادہ خانقاہ برکات لہنہ شریف

ناشر

مجمع البرکات اکیڈمی

خانقاہ برکات، لہنہ شریف، دھنوشا نیپال

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

کتاب : فتاویٰ برکات (حصہ ششم)

مصنف : تاج الاسلام، مفتیٔ اعظم نیپال حضرت علامہ مفتی جیش محمد صدیقی برکاتی صاحب قبلہ، قاضی القضاۃ صاحب سجادہ خانقاہ برکات لہنہ شریف، نیپال

تصحیح : خلیفہ حضور شیر نیپال حضرت علامہ مفتی محمد احمد حسین برکاتی سربراہ اعلیٰ دار العلوم غریب نواز باسکی بہاری

ترتیب جدید : حضرت مولانا مفتی محمد عبد السلام امجدی برکاتی (تاراپٹی، نیپال)

طبع اول : ۱۴۳۹ھ

ناشر : مجمع البرکات اکیڈمی، لہنہ شریف، نیپال

ملنے کے پتے

- خانقاہ برکات، لہنہ شریف، دھنوشا، نیپال
- برکاتی منزل بکھری۔ بگھاری، سرسنڈ، سیتامڑھی (بہار)
- دار العلوم غریب نواز، باسکی بہاری، مدھواپور، مدھوبنی، (بہار)

فہرست مضامین

کتاب الصلوٰۃ	۱۳
تداعی کے ساتھ نفل مکروہ۔ احناً مباح	
تہجد کے لئے بعد عشا سونا شرط، نہ فرض، نہ واجب نہ سنت	
امام پر تسمیع، مقتدی پر تحمید اور منفرد پر دونوں کے۔	
بوقت تخالف فتویٰ قول امام پر، اور تعارض کے وقت عمل واعتماد متون پر، اس کے خلاف کسی ترجیح کی طرف التفات نہیں۔	
ظاہر الروایہ کے خلاف سب متروک، مرجوع عنہ	
عبادات میں مطلقاً فتویٰ قول امام پر۔ ذوی الارحام کے تمام مسائل میں فتویٰ قول امام محمد پر۔ اور قضاء میں قول امام ابو یوسف پر	
قول مرجوع پر حکم وفتویٰ جہالت وخرق اجماع	
مفتی مطلقاً اور قاضی عموماً قول ومذہب امام پر افتاء وقضا کرے۔	
صاحب ہدایہ قول مختار کی دلیل آخر میں لاتے ہیں	
علمائے محققین قول امام ہی پر جزم واعتماد فرماتے ہیں	
سب کے نزدیک معتمد، مرجع، محقق ومنقح مذہب امام ہے	
قول امام سے عدول نہ کیا جائے اگرچہ مشائخ کا فتویٰ خلاف پر ہو	
لاکھوں مسائل ومعاملات میں بھی قول امام ہی پر فتویٰ ہے	
جو مسئلہ امام کے حضور طے نہ ہو لیا قیامت تک مضطرب رہے گا	
عمدہ ترین کتب متون ہے پھر شروح پھر فتاویٰ وقت تخالف متون مقدم فتاویٰ مؤخر	
صاحب ہدایہ، ابن ہمام، قاضی خان اہل ترجیح وتصحیح سے ہیں	

چند مقامات کے سوا قول امام ہی پر اعتماد لازم	
لایفتی ولایعمل الابقول الامام الاعظم	
الواجب عندی ان یفتی بقول ابی حنیفة علی کل حال (صاحب ہدایہ)	
علامہ طحطاوی کیا فرماتے ہیں	
قول ومذہب امام کو تمام اقوال ومذاہب پر۔ اسی طرح ظاہر الروایہ کی تمام روایتوں پر تقدیم وترجیح حاصل	
ائمہ محققین مرجحین اور رسل تصحیح کے الفاظ مؤکدات قول	
قول ومذہب امام ہی معتمد، اسی پر تعامل وتوارث یہی مفتی بہ اور یہی ظاہر الروایہ	
اثنائے نماز میں کلام جس طرح بھی ہو مفسد نماز ہے	
کس طرح لقمہ لینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟	
مالک کی اقتدا میں نماز نہیں ہوتی ہے۔	
فاسق کے پیچھے پڑھی گئی نماز کا پھیرنا واجب ہے	
کس کپڑے میں نماز خلاف اولی	
جماعت کثیرہ، جمعہ، عیدین میں سجدۂ سہو نہیں	
قضائے عمری پڑھنے کا طریقہ	
قضائے عمری پڑھنے کا طریقہ	
قبر سامنے نہ ہو تو قبرستان میں نماز پڑھنے میں حرج نہیں	
امامت، اوصاف وشرائط، زانی حرامی، فاسق وفاجر، سود خور، بدعمل، بدکردار عالم، بدمذہب کی اقتدا میں نماز وجنازہ بدمذہب سے، معاملات وتعلقات، عیادت کا حکم	
فاسق کے پیچھے نماز ناجائز (امام مالک)	
الضرورات تبیح المحظورات (قاعدۂ فقہیہ)	

عام فقہائے کرام بالاتفاق فاسق کی تقدیم مکروہ بتاتے ہیں	
فاسق کی توہین شرعاً واجب	
امامت امانت عظیمہ ہے اور فاسق خائن	
مشہور سود خور کی اقتدا مکروہ	
فاسق علاوہ نہ ملے تو منفرداً پڑھے	
اذا مدح الفاسق غضب الرب (الحدیث)	
تمہارے نیک تمہاری امامت کرے	
اجعلوا ائمتکم خیارکم۔ (الحدیث)	
امام کیسا ہونا چاہیے	
اگر باعث تنفر و تقلیل جماعت ہو تو حرامی کو امام نہ بنایا جائے	
متہم قابل امامت نہیں	
غیر صحیح القرأت کو امام بنانا حرام نہ اس کی نماز نماز نہ اسکے پیچھے کسی کی نماز	
خلاف شرع فیصلہ کرنے والا ظالم، اسے امام بنانا حرام	
امامت کے لئے صحیح العقیدہ، صحیح القرأۃ فسق و فجور پاک، مسائل طہارت ونماز سے واقف ہونا درکار	
باب صلاۃ العید	
ولد حرام عالم ہوگیا تو امامت کرسکتا ہے	
مرض فالج مانع امامت نہیں	
زانی کو امام بنانا گناہ	
وہابی کا جنازہ پڑھنے والا پیر	
کمیٹی سے بے پوچھے کچھ لے جانے والا امام اب قابل امامت نہیں۔	
بلاعذر شرعی قطع صف حرام	

وعالم نام علم بدنام کرے نہ قابل امامت و خطابت نہ لائق تعظیم و تکریم ان کی صحبت میں بچوں کو دینا ناجائز	
بدمذہبوں سے معاملات	
بدمذہبوں کی کفریات پر تفصیلی معلومات درکار ہو تو کیا کرنا چاہیے	
مَن اَحبَّ قوماً حشرہ اللّٰہ معھم۔	
مؤمن اللہ و رسول کے مخالف سے دوستی نہ کرے گا	
بدمذہبوں سے تعلق و صحبت کا حکم	
مرتد سے کسی طرح کا معاملہ جائز نہیں	
عالم دین کی توہین کفر ہے	
بکر کا وہ جملہ قبیح ہے توبہ کرلے	
بدمذہب کی عیادت کا حکم جہالت بلکہ قرآن و حدیث کی مخالفت دانستہ وہابی کا جنازہ پڑھنے پڑھانے والے ایمان سے خارج توبہ، تجدید ایمان و نکاح فرض	
حرام قطعی کو حلال جاننا کفر	
بدمذہب لوگ کن آیات احادیث کے مصداق ہیں	
جماعت وہابیہ بارگاہ عالیہ کے گستاخ ہیں	
طائفۂ وہابیہ، دیوبندیہ، تبلیغیہ، صلح کلیہ، پھلواردیہ، مجیبیہ اسلام سے خارج، ان کے لئے دعائے مغفرت کفر	
اذان و اقامت	
اذان خطبہ	
اذان خطبہ بیرون مسجد زمانۂ اقدس سے ہے۔ خلفاء و صحابہ کا عمل بھی اسی پر رہا کہ معوذ منبر کے وقت خارج مسجد اذان اور بوقت نزول اقامت کہی جاتی تھی۔	

اذان اول کا اضافہ دور عثمانی میں ہوا۔ اور بازار مدینہ میں مقام زوراء پر آغاز	
کتب تفاسیر، احادیث وفقہ سے کسی اذان کا اندرون مسجد ہونا مسموع	
بوقت اقامت کھڑا رہنا مکروہ، خلاف سنت	
اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تقوموا حتیٰ ترونی۔ (الحدیث)	
نمازی صف میں "حیّ علی الصّلاۃ" پر کھڑے ہوں۔ (امام اعظم امام محمد)	
علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی۔ (الحدیث)	
اذان جمعہ ہوتے ہی سعی واجب۔ خرید وفروخت حرام	
نماز جمعہ وعیدین	
بعض صحابہ، تابعین حجاج کے پیچھے نماز جمعہ پڑھ لیا کرتے تھے	
عندالاحناف گاؤں، دیہات میں نہ جمعہ ہے، نہ عیدین	
حجاج کی خباثت تمام امتوں کی خباثتوں پر بھاری	
صلوا خلف من قال لا الہ الا اللہ	
فقہاء نے فاسق کی اقتدا میں جمعہ وعیدین کا حکم بوقت مجبوری والا جاری دیا ہے	
ظالم وجابر حکام کے بارے میں فرمان رسول	
نہ منع پر قدرت، نہ دوسری مسجد تو جمعہ وعیدین میں فاسق کی اقتدا کرلے	
بحالت روزہ امام نے عید پڑھا دی ہوئی کہ نہیں؟	
ریڈیو کی خبر پر عید منانا گناہ، منانے والے پر توبہ	
نماز عیدین کے لئے خاص عیدگاہ یا وقفی زمین ہونا لازم نہیں	
مصلائے نبی شہر مدینہ سے باہر، حجرۂ اقدس سے ہزار قدم کے فاصلہ پر تھا اور آج وہ چہار دیواری کے اندر ہے	

بسبب باراں حضور علیہ السلام نے مسجد میں عید پڑھائی ہے	
نماز عیدین صحرا میں افضل ہے	
اہل حرمین شریفین عادۃً عیدین مسجد میں پڑھتے ہیں	
عیدین سے متعلق احادیث واقوال علماء، فقہاء	
الخروج الی المصلی سنۃ	
ایک شہر میں متعدد جگہ عیدین جائز	
کس صورت میں کسی کی نماز نہ ہوئی	
امام ان تکبیرات سہواً ترک کیا تو بعد قرأت یا رکوع میں کہہ لے اور قرأت کا اعادہ نہ کرے	
تکبیرات عیدین بہر رکعت بعد قرأت ہے (حضرت علی)	
پہلی میں قبل قرأت اور دوسری بعد قرأت	
تکبیرات کا محل قیام ہے اور بعد تحریمہ علی الفور	
جنازہ، غسل، کفن، دفن	
کتاب الجنائز	
عیدگاہ میں نماز جنازہ بلا کراہت جائز ہے	
(۱) بعد وصال رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل کس نے دیا؟	
(۲) قبر منور کس نے کھودی؟	
(۳) قبر نور میں کس اوتارا؟	
(۴) بعد وصال غسل نبی کی وجہ کیا ہے؟	
(۵) آپ کے جنازہ میں کون سی دعا پڑھی گئی؟	
(۶) کیا سوالات قبر اسی امت کے ساتھ خاص ہے؟	

(۷) کیا حضور علیہ السلام اپنی نماز میں یہی تشہد پڑھتے تھے؟	
بالترتیب ساتوں سوالات کے جوابات مع دلائل وبراہین کتاب میں ملاحظہ کریں	
جنازہ میں حق تقدم کس کو ہے؟	
بے اجازت دوسرے کی زمین میں لاش دفن کرنا کیسا ہے؟	
نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ، چاروں قل، اور دعا بالجہر پڑھا، اور صرف ۳ مرتبہ تکبیر کہی نماز ہوئی کہ نہیں	
جنازہ میں فرض دو ہے (۱) قیام (۲) ۴ تکبیریں	
حضور علیہ السلام نے شاہ حبشہ کے وصال کی خبر دی اور مع صحابہ غائبانہ عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھائی	
بلاعذر مسجد جماعت میں جنازہ پڑھائی	
زمین مسجد، مسجد جنازہ، مکتب، مدرسہ میں جنازہ بلا کراہت جائز	
کفن میں ۳ کپڑے، مسنون، علما، مشائخ کے لئے عمامہ مستحسن۔ کپڑوں تک مکروہ نہیں، جہاں فتنہ ہو، ۳ پر اقتصار اولی، جہاں ۳ پر تعامل ہو اور زائد کا اتار دینا بدمذہب کی پہچان وہاں وہی مرجح سوالات نکیرین کے وقت مردہ کو کیسا معلوم ہوتا ہے؟ میت کا قبر میں نماز پڑھنا ثابت نہیں۔	
کفن کا بیان	
کفن کے اقسام۔ طریقۂ تکفین۔ (درمختار) نومولود مردہ، یا کچا مسقوط کو ایک کپڑا میں لپیٹ کر دفن کردیں	
نکاح، طلاق	
وہابی، دیوبندی سے نکاح باطل ہوتا ہی نہیں ہے	
پھر طلاق وحلالہ کا سوال چہ معنی دارد	

بے طلاق عورت ماں بہن کی حرام ہے	
محرمات کا قدرے بیان	
برادری بدلنا	
شریعت میں نسب باپ سے ہے	
من ادعی الی غیر ابیہ فعلیہ لعنۃ اللہ۔ (الحدیث)	
خود کو سید لکھنا اور ’’خادم القوم سیدہم‘‘ سے اپنی سیادت پر دلیل لانا	
حضور علیہ السلام کا نسب ’’سیدہ فاطمہ‘‘ سے آپ کے خصوصیات سے ہے	
’’سید‘‘ صرف حسنین کریمین کی اولاد ہیں، بنات فاطمہ زہرا نہیں	
’’سید‘‘ کا لقب شرفاء کے لئے ہے	
نسب تبدیل کرنے والے پر جنت حرام	
تبدیل برادری کی مذمت اور بخاری شریف کی ۲ حدیثیں	
جب وہابی ہوگیا تو خاندان کا نہ رہا	
ناسمجھ بچہ خیر الابوین کے تابع	
والدین کو ایذا دینے والا بدکردار، بدعمل عالم کی مذمت اور ماں، باپ کے فضائل ومناقب سے متعلق آیات قرآنی واحادیث نورانی۔	
والدین کی نافرمانی خدا اور رسول کی نافرمانی اور ان کی رضا ورضائے الٰہی۔ ان کے نافرمانوں کی کوئی نیکی قبول نہیں۔	
طاعت وحقوق والدین سے متعلق دس احادیث کریمہ۔ ماں باپ کے نافرمانوں پر جنت حرام۔ جیتے جی ان پر سخت بلا نازل۔ وقت مرگ کلمہ نصیب نہ ہونے کا خوف	
احکام مسجد	
قبرستان کی لکڑی گھاس مسجد میں صرف کرنا جائز ہے	

مسجد ضرار کا بانی گناہ عظیم کا مرتکب	
مسجد ضرار کے اغراض و مقاصد	
سودی کاروباری کی رقم اور سرکاری روپے سے مسجد کی تعمیر کا حکم	
تمام مسجد سے قبل نیچے اوپر دکان، مکان بنانے میں حرج نہیں۔	
انہدام مسجد کے بعد دکان، مکان کی جدید تعمیر نہیں ہو سکتی	
کیسے آدمی مسجد کمیٹی میں رکھنا حرام	
مسجد کو نا سمجھ بچوں، دیوانوں اور آواز بلند کرنے سے بچاؤ	
مسجد میں گمشدہ کی تلاش یا خرید و فروخت کرتے دیکھو تو کیا کہو؟	
انگلیاں چٹخانا، حدود قائم کرنا۔ سزا دینا، ڈاک کرنا، کلام دینا، کرنا مسجد میں منع ہے	
گاؤں، دیہات میں عیدگاہ وقف کرنا بے حاجت، مخالف قربت۔ بعد وقف بھی واقف کی ملک میں باقی	
زمین کا جو حصہ ایک بار مسجد ہو گیا تا قیامت مسجد ہے	
مسجد کی ویرانی، بے حرمتی ظلم۔ اس کی آبادی و حرمت فرض	
فنائے مسجد کی حرمت بھی لازم اور تفریق بین المسلمین کرنے والا ظالم	
تعمیر مسجد کا حق صرف مسلمانوں کو ہے	
امام و موذن کی تنخواہ مسلمان خود برداشت کرے خود زمین خرید کر مسجد تعمیر کرے	
زمین مشرک پر تعمیر مسجد کی ایک صورت	
دینی اداروں میں کفار کے روپے لگا سکتے ہیں	
اتصال صفوف میں عیدگاہ مثل مسجد ہے	
قبرستان میں مٹی بھرانے سے متعلق ایک سوال	
كتاب الصوم ۔۔۔(باب الہلال)	
سال میں ۵ دن روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے	

ماہ رمضان کے بعد نفلی روزہ کے لئے سب سے افضل عشرۂ ذی الحجہ ہے عرفہ (۹ رویں ذی الحجہ) افضل ایام سال ہے۔ اس کا روزہ ہزاروں روزوں کے برابر اور دو سال کے گناہ کی معافی۔ افضلیت صوم و یوم کا قدرے بیان	
۲۹ کو چاند کی رویت نہ ہو تو ۳۰ کی گنتی پوری کرو	
جدید ذرائع ابلاغ سے ثبوت ہلال کی نفی میں ایک محقق، مدلل مفصل فتویٰ	
مطلع صاف ہونے کی صورت میں ۲ آدمی ناکافی، جماعت عظیمہ کی گواہی درکار	
پورے ہند و پاک میں عید ہونا ثبوت کے لئے ناکافی	
عید الضحیٰ کے چاند سے متعلق ایک سوال	
شہادتیں گزر چکیں، اعلانیہ چھپا ہے	
آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہ ہوگا	
كتاب الاضحيه	
قربانی کی کھال ہر کار خیر میں لگا سکتے ہیں	
چرم قربانی کے بارے میں ایک حدیث	
چرم قربانی امام و موذن کو اعانۃً دے، تنخواہ میں نہیں	
اگر چرم قربانی تمول کے لئے بیچا ہے تو تصدق واجب	
علم وعمل اخلاق و آداب۔ نیک و بد عمل عالم، اظہار و کتمان علم	
اذا احسن الناس فأحسن معهم ۔ (الحدیث)	
جھوٹا مسئلہ بتانے والا "ضلوا فاضلوا" کے مصداق	
اس کی باتیں کان دھرنے کے لائق نہیں	

مولوی نے شریعت پر افترا کیا توبہ کرے	
ظہور فتنہ کے وقت عالم پر اظہار علم واجب	
علم دین چھپانا ممنوع ۔عالم کی ذمہ داری۔اور رمِ حقیقت کے بارے میں علماء کے اقوال۔جیسا گناہ ویسی توبہ۔	
آب زمزم اور بقیۂ وضو کے علاوہ کھڑے ہو کر پینا مکروہ	
ننگے سر کھانا رسم ہنود اور خلاف سنت	
عالم وہی جو خوف خدا رکھے محرمات سے بچے قرآن وسنت پر عامل ہو	
بدعمل عالم کس جانور کے مانند ہے	
اس امت میں مفلس کون؟	
سباب المؤمن فسق ۔(الحدیث)	
عالم کو چاہیے کہ اپنے قول وعمل کو میزان شرع پر رکھیں	
قرآنی آیات سے علاج	
بخاری شریف کی ایک روایت	
جماعت صحابہ نے آیت قرآنی سے سردار کفار کا علاج کیا اور طے شدہ نذرانہ بھی لیا	
آیات وکلمات دعا سے جھاڑ پھونک جائز	
اور تعویذ کا ہدیہ لینا بھی روا	
متفرقات	
دارالحرب میں مسلمانوں کا قیا کیسا ہے؟	
نیپال دارالامن ہے۔شعار اسلام کی ادا میں چھوٹ ہے یہاں سے مسلمانوں کو ہجرت لازم نہیں۔ابتدائے اسلام میں کون سی ہجرت فرض تھی پھر منسوخ ہوگئی۔ہجرت کا تعلق خاص حالات وواقعات سے ہے۔	

دینی کاموں میں نہ مشرکین سے نہ مدد لی جائے نہ ان کے تحفے قبول کئے جائیں	
انی نہیت عن زبد المشرکین۔ (الحدیث)	
أنا لا نستعین بمشرك. (الحدیث)	
انی لا أقبل هدیة مشرك. (الحدیث)	
خلاف واقعہ لکھنے پر سائل کو تنبیہ	
مسلمانوں کو چاہئے کہ ارتکاب کبیرہ نہ کریں۔اور مکروہات سے بھی بچیں	

صاحب کتاب کا ماہ وسال

● ۲۸ رصفر ۱۳۶۲ھ، مطابق ۵ رمارچ ۱۹۴۳ء، ۲۲ ر پھاگن ۱۹۹۹ء بکرمی بروز جمعہ آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

● ۱۳۶۵ھ، مطابق ۱۹۴۶ء، ۲۰۰۳ء بکرمی میں والد محترم عالی جناب محمد جاشم صدیقی مرحوم نے رسم بسم اللہ خوانی ادا کرائی اور یہیں سے آپ کی تعلیم وتربیت کا آغاز ہوا۔

● شعبان ۱۳۷۷ھ، مطابق مارچ ۱۹۵۸ء، پھاگن ۲۰۱۴ء بکرمی میں مدرسہ اشرف العلوم شمسی کمہواں بہار میں بہت قلیل مدت میں کلام ربانی قرآن مجید کا حفظ مکمل کیا۔

● رمضان ۱۳۷۷ھ، مطابق مارچ ۱۹۵۸ء، چیت ۲۰۱۴ء بکرمی میں اپنے ہی گاؤں میں محلہ کی مسجد میں پہلی تراویح سنائی۔ روزانہ ایک ایک سپارہ سناتے اور ستائیس رمضان المبارک کی شب کو پورا قرآن شریف خوبصورت آواز اور پورے اطمینان ووقار کے ساتھ سنایا۔ جبکہ ابھی آپ نے دور سنایا بھی نہیں تھا۔

● ۱۳۷۷ھ، مطابق ۱۹۵۸ء، بیساکھ ۲۰۱۵ء بکرمی درس نظامیہ کی تعلیم کا ارادہ کیا، چنانچہ اپنے چچا محترم مولوی جمشید صدیقی کے پاس اعدادیہ کی کتاب شروع کی اور انہیں کے پاس جماعت اعدادیہ کی جملہ کتابیں پڑھیں۔

● شوال ۱۳۷۸ھ، مطابق اپریل ۱۹۵۹ء، بیساکھ ۲۰۱۶ء بکرمی میں مدرسہ اشرف العلوم کمہواں میں جماعت اولیٰ کے لئے داخلہ لیا اور ایک سال یہاں رہ کر جماعت اولیٰ کی تعلیم حاصل کی۔

● شوال ۱۳۷۹ھ، مطابق اپریل ۱۹۶۰ء، چیت ۲۰۱۷ء بکرمی میں دار العلوم علیمیہ دامودرپور ضلع مظفر پور آگئے اور یہاں آپ جماعت ثانیہ میں داخلہ لے کر

تحصیل علم میں مصروف ہوگئے۔

● شوال ۱۳۸۰ھ، مطابق مارچ ۱۹۶۱ء، پھاگن ۲۰۱۷ء بکرمی میں تعطیل کلاں کے بعد پھر دار العلوم علیمیہ ہی میں جماعت ثالثہ کی تکمیل کے لئے تشریف لائے۔

● شوال ۱۳۸۱ھ، مطابق مارچ ۱۹۶۲ء، پھاگن ۲۰۱۸ء بکرمی میں دار العلوم علیمیہ میں رابعہ جماعت میں داخلہ لیا اور اس جماعت کی تمام کتابیں بڑی محنت کے ساتھ پڑھیں اور اول درجہ سے سالانہ امتحان میں کامیابی حاصل کی۔

● شوال ۱۳۸۲ھ، مطابق مارچ ۱۹۶۳ء، پھاگن ۲۰۱۹ء بکرمی میں تعطیل کلاں کے بعد اسی دار العلوم علیمیہ میں جماعت خامسہ کی تکمیل کے لئے حاضر ہوئے۔

● شوال ۱۳۸۳ھ، مطابق فروری ۱۹۶۴ء، پھاگن ۲۰۲۰ء بکرمی میں مرکز اہل سنت دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف، جماعت سادسہ میں داخلہ لیا اور یہاں ماہر اساتذہ کرام سے منطق، فلسفہ، حدیث، اصول حدیث، تفسیر، فقہ کی کتب بڑے ذوق وشوق کے ساتھ ایک سال تک پڑھیں۔

● شوال ۱۳۸۴ھ، مطابق فروری ۱۹۶۵ء، پھاگن ۲۰۲۱ء بکرمی میں جب مرکز اہل سنت دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف سے سادسہ کی تعلیم مکمل کر کے شعبان میں گھر جانے لگے اساتذہ نے مبارکپور حضور حافظ ملت کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اکتساب علم کا مشورہ دیا آپ نے سر تسلیم خم کیا اور بعد رمضان المبارک جامعہ اشرفیہ مبارکپور پہنچ کر جماعت سابعہ میں داخلہ لیا اور حضور حافظ ملت اور دوسرے اساتذہ سے خوب جی بھر کر علمی جام شیر نوش کرتے رہے اور پھر شعبان کی چھٹی میں گھر تشریف لے آئے۔

● شوال ۱۳۸۵ھ، مطابق فروری ۱۹۶۶ء، پھاگن ۲۰۲۲ء بکرمی میں تعطیل کلاں گذارنے اور تراویح سنانے کے بعد پھر جامعہ اشرفیہ حاضر ہوئے اور جماعت فضیلت میں داخلہ لیا اور درس نظامی کی آخری کتاب مکمل کی، اس طرح سے کل دو سال جامعہ اشرفیہ میں رہ کر آپ نے تعلیم حاصل کی اور حضور حافظ ملت اور علامہ عبد الرؤف

بلیاوی سے خوب فیض یاب ہوتے رہے۔

● ۱۰رشعبان ۱۳۸۶ھ، مطابق ۲۴رنومبر ۱۹۶۶ء، ۹راگہن ۲۰۲۳ بکرمی میں جامعہ اشرفیہ کے جلسہ میں یہ فرماتے ہوئے ''آپ مقدمۃ الجیش ہیں آگے آئیں'' سب سے پہلے آپ کے سر پر دستار فضیلت حضور حافظ ملت اور سید مظفر حسین کچھوچھوی نے اپنے مقدس ہاتھوں سجا دیئے۔

نوٹ: جس وقت آپ فارغ التحصیل ہوئے اس وقت آپ کی عمر شریف ۲۳رسال ۷رماہ ۷ر روز کی تھی۔

● ۱۰رشوال ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۱رجنوری ۱۹۶۷ء، ۸رماگھ ۲۰۲۳ بکرمی میں مادر علمی دارالعلوم علیمیہ دامودر پور بہار میں مدرس متعین ہوئے اور یہیں سے آپ نے اپنی تدریسی خدمات کا سفر شروع کیا۔ یہاں آپ نے صرف ایک سال ہی تدریسی خدمات انجام دی مگر بڑی ذمہ داری، جدوجہد اور لگن کے ساتھ۔

● ۲۳رشعبان ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۵رنومبر ۱۹۶۷ء، ۹راگہن ۲۰۲۴ بکرمی میں مدرسہ اصلاح المسلمین جنکپور میں ارکان وممبران مدرسہ کی پیش کش پر بحیثیت صدر المدرسین منتخب ہوئے۔

● ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء، ۲۰۳۱ بکرمی میں مرکزی حیثیت دے کر اسی مدرسہ اصلاح المسلمین کو ''دارالعلوم حنفیہ'' بنا ڈالا۔

● ۱۳۹۴ھ، مطابق ۱۹۷۴ء، ۲۰۳۱ بکرمی میں جلسۂ سرکار مدینہ کے بعد اراکین ادارہ سے شکر رنجی کے باعث اور کشمیری تکیہ کے منتظمین کے اصرار پیہم پر از خود ترک صدارت فرما کر شاہی جامع مسجد کشمیری تکیہ کی امامت قبول کرلی۔ اور تقریباً ا ماہ یہاں امامت کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔

● ذوقعدہ ۱۳۹۵ھ، مطابق نومبر ۱۹۷۵ء، کارتک ۲۰۳۲ بکرمی میں کاٹھمانڈو شاہی کشمیری مسجد کی امامت سے بخوشی برطرف ہو کر پھر جنکپور میں آپ کا ورود ثانی ہوا

جہاں آپ جیسے عظیم قائد کا بے صبری سے ہر خاص وعام انتظار کر رہا تھا۔

● ۲۰/۲۱/۲۲ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۲ر، ۱۳ر، ۱۴راپریل ۱۹۷۴ء، ۳۰رچیت ۲۰۳۰ بکرمی میں جنک پور نیپال میں تاریخ ساز جلسۂ سرکار مدینہ کرایا، جس میں خصوصی طور پر حضور سید العلماء سید الشاہ آل مصطفی مارہروی، جلالۃ العلم حضور حافظ ملت شاہ عبدالعزیز مبارکپوری، سابق ممبر آف پارلیمینٹ مجاہد دوراں حضرت علامہ سید شاہ مظفر حسین کچھوچھوی کے علاوہ سیکڑوں علماء وعمائدین تشریف فرما ہوئے تھے اور ہزاروں کی تعداد میں سامعین۔ بتایا جاتا ہے کہ نیپال میں اتنا بڑا مجمع اب تک کسی جلسہ، کانفرنس میں جمع نہیں ہوا تھا۔

● ۱۴۰۸ھ، مطابق ۱۹۸۷ء، ۲۰۴۴ بکرمی میں جنکپور میں دوسرا عظیم الشان جلسہ کرایا جس میں آفتاب مارہرہ حضور احسن العلماء حضرت سید شاہ مصطفی حیدر حسن میاں علیہ الرحمہ کی خصوصی دعوت تھی، اور آپ نے دعوت منظور فرما کر بذریعہ ریل مظفر پور تک بغرض شرکت تشریف بھی لائے مگر کسی وجہ سے دوسری ٹرین سے واپسی کا ارادہ فرما کر لوٹ گئے مگر آپ نے اپنے خلیفہ کے دینی کارناموں کو سراہا اور دعاؤں سے نوازا، اور جب مفتی اعظم نیپال نے اپنے ''فتاویٰ برکات'' جلد اول پر تقریظ کے لئے آپ کی بارگاہ میں پیش کیا تو ''دارالعلوم'' کی جگہ ''جامعہ'' اور ''حنفیہ'' کے بعد ''غوثیہ'' کا اضافہ فرمایا اور آج اسی نام کے ساتھ وہ ادارہ معروف ومشہور ہے۔ یعنی ''جامعہ حنفیہ غوثیہ'' حضور احسن العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان کے مبارک قلم کے تبرکات سے ہے۔

● ۲۵رذی الحجہ ۱۳۹۲ھ، مطابق ۱رجنوری ۱۹۷۳ء، ۱۷رپوش ۲۰۲۸ بکرمی میں باسوپٹی ضلع مدھوبنی بہار میں غیر مقلد سے میلاد وقیام کے موضوع پر مناظرہ کیا جس میں اہل سنت کو کامیابی ملی اور باطل کو شکست وہزیمت۔

● ۱۳۹۰ھ، مطابق ۱۹۷۰ء، ۲۰۲۶ بکرمی میں حضور سید العلماء علیہ الرحمہ کے مقدس ہاتھوں پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔

● ۱۳۹۷ھ، مطابق ۱۹۷۷ء، ۲۰۳۰ بکرمی میں حضور سید العلماء نے آپ کو تمام سلاسل کی اجازت وخلافت عطا فرمائی۔

● ۱۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ، مطابق ۲ر نومبر ۱۹۹۳ء، ۱۷ر کارتک ۲۰۵۰ بکرمی میں تاج الشریعہ نے خلافت عطا فرمائی۔

● شوال ۱۴۰۳ھ مطابق جولائی ۱۹۸۳ء، آساڑھ ۲۰۴۰ بکرمی میں ۴ر بج کر ۲۵ر منٹ پر جب پہلی بار پاکستان کے تبلیغی دورہ پر تھے تو حاجی عبدالرحیم برکاتی کے دولت کدہ پر حضور احسن العلماء نے بھی خلافت عطا کی۔

● ۲۱ر ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ، مطابق ۲۰ر جنوری ۱۹۸۶ء، ۷ر ماگھ ۲۰۴۲ بکرمی میں بروز جمعہ قاضی اہل سنت مفتی اعظم دہلی حضرت علامہ مفتی محمد میاں ثمر دہلوی نے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا۔

● ۱۴۰۶ھ، مطابق ۱۹۸۶ء، ۲۰۴۲ بکرمی میں اجمیر شریف بارگاہ خواجہ غریب نواز میں حاضری کے موقع پر خادم آستانہ حضرت مولانا سید شاہ محمد علی دام ظلہ العالی نے آپ کو خلافت عطا فرمائی۔

● ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ، مطابق مئی ۱۹۹۳ء، بیساکھ ۲۰۵۰ بکرمی میں زیارت حرمین شریفین کے موقع پر شہزادۂ قطب مدینہ مولانا فضل الرحمٰن نے مدینہ منورہ کی پاک سرزمین پر خلافت عطا کی۔

● ۲۸ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ، مطابق ۷ر فروری ۱۹۸۶ء، ۲۵ر ماگھ ۲۰۴۲ بکرمی میں افضل الشعراء سید شاہ آل رسول حسنین نظمی میاں علیہ الرحمہ نے خلافت عطا فرمائی۔

● ۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰ر اپریل ۲۰۱۱ء، ۷ر بیساکھ ۲۰۶۸ بکرمی میں خانقاہ برکات لہنہ شریف کی تکمیل کے موقع پر جشن افتتاح خانقاہ برکات کے نام سے پہلے جلسہ کا انعقاد ہوا اور اب ہر سال نہایت اہتمام اور تزک

واحتشام کے ساتھ ۲۰، ۲۱ر اپریل کو خانقاہ کے احاطہ میں "جلسۂ برکات النبی" منعقد ہوتا ہے۔

● ربیع الاول ۱۴۲۸ھ، مطابق مارچ ۲۰۰۷ء، چیت ۲۰۶۳ بکرمی میں مصر کا پہلا سفر فرمایا جس میں آپ کی شرکت پر صدر جمہوریہ مصر نے پرتپاک انداز میں استقبال کیا اور جملہ علماء و شرکا نے بڑی عزت دی۔

● ربیع الاول ۱۴۲۹ھ، مطابق مارچ ۲۰۰۸ء، چیت ۲۰۶۴ بکرمی میں مصر کا دوسرا سفر صدر جمہوریہ مصر سید حسنی کی دعوت پر فرمایا۔

● ۵-۸ر مارچ ۲۰۰۹ء، پھاگن ۲۰۶۵ بکرمی میں مصر کا تیسرا سفر فرمایا جب صدر جمہوریہ مصر اور دوسرے اراکین نے عالمی سیمینار میں شرکت و مقالہ نگاری کی دعوت دی۔ آپ کا تیار کردہ مقالہ مصر سے شائع ہونے والا مجلہ "المنار" میں شائع بھی ہوا۔

● ۱۴۱۳ھ، مطابق ۱۹۹۳ء، ۲۰۵۰ بکرمی میں پہلا سفر حج و عمرہ کیا۔ اس سفر میں خادم الحجاج بنام امیر الحجاج مقرر ہوئے۔

● ۲۱ر شعبان، رمضان ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۹ر جون ۲۰۱۳ء، ۱۴ر ساون ۲۰۷۰ بکرمی میں دوسرا عمرہ کیا اور ۱۰ر رمضان ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۸ر جولائی ۲۰۱۳ء، ۳ر ساون ۲۰۷۰ بکرمی کو براہ بمبئی بخیر و عافیت وطن واپسی ہوئی۔

● ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۹۸۷ء، ۲۰۴۴ بکرمی میں آپ کو مجمع عام میں علماء ہندوستان و نیپال نے بالاتفاق پورے نیپال کا قاضی منتخب کیا اور جلسۂ سرکار مدینہ کے منبر سے حضرت علامہ مفتی اعظم ہالینڈ مفتی عبدالواحد قادری نے اس کا اعلان بھی فرمایا۔

● ۲۹ر رجب المرجب ۱۴۱۲ھ مطابق ۳ر فروری ۱۹۹۲ء، ۲۰ر ماگھ ۲۰۴۸ بکرمی میں صدر العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی محمد تحسین رضا علیہ الرحمہ بریلی شریف نے آپ کو مناظر اسلام کا خطاب عطا فرمایا۔

● شوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء اساڑھ ۲۰۴۰ بکرمی دورۂ پاکستان سے

واپسی کے موقعہ پر امیر اہل سنت امیر دعوت اسلامی مولانا محمد الیاس قادری نے اپنے نام کے ساتھ ”مفتی اعظم نیپال“ لکھ کر تحفہ میں ”فیضان سنت“ پیش کیا اور نیپالی کے لئے امیر اہل سنت بھی مقرر فرمایا۔

● ۲۵/ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ، مطابق ۱/جنوری ۱۹۷۳ء، ۱۸/پوش ۲۰۲۹ بکرمی میں آپ کو باسوپٹی مناظرہ میں فتح مبین حاصل کرنے کے بعد مفتی اعظم کانپور حضرت علامہ مفتی رفاقت حسین علیہ الرحمہ نے شیر نیپال کے لقب سے ملقب فرمایا۔ اس مناظرہ میں حضور شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ اور حضور بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی علیہ الرحمہ بھی تشریف فرما تھے۔

● ۲۵/جمادی الآخر ۱۴۱۲ھ، مطابق ۱/جنوری ۱۹۹۲ء، ۱۷/پوش ۲۰۴۸ بکرمی میں علم حدیث میں زبردست مہارت ولیاقت اور اس فن کے رموز واسرار کی معرفت وادراک رکھنے کے سبب آپ کو محدث کا عظیم لقب عطا کیا گیا۔

● ۲/رجب ۱۴۲۳ھ، مطابق ۹/ستمبر ۲۰۰۲ء، ۲۴/بھادو ۲۰۵۹ بکرمی میں آپ کے والد محترم جناب شیخ محمد جاشم صاحب کا وصال ہوا۔

● ۱۳۸۴ھ، مطابق ۱۹۶۵ء، مطابق ۲۰۲۰ بکرمی زمانہ طالب علمی میں ہی آپ نے پٹنہ پھلواری کا پہلا سفر کیا تھا تاکہ معلوم کیا جاسکے کہ پھلواری والوں کی حقیقت کیا ہے اور ان کے عقائد ونظریات کیا ہیں؟۔

● ۱۳۸۵ھ، مطابق ۱۹۶۶ء، ۲۰۲۱ بکرمی میں پھر آپ نے پھلواری کا دوسرا سفر کیا اور اس خانقاہ کے افکار ونظریات معلوم کرنے کے لئے موجودہ سجادہ نشین سے بحث بھی ہوئی اور بعد مباحثہ یہ طے ہوا کہ یہ لوگ اہل سنت سے نہیں بلکہ صلح کلی ہیں۔

● ۸/رجب ۱۳۸۷ھ، مطابق ۱۲/اکتوبر ۱۹۶۷ء، ۲۶/آسن ۲۰۲۴ بکرمی میں آپ کے بڑے صاحبزادہ حضرت علامہ محمد ضیاء المصطفی برکاتی ازہری کی ولادت ہوئی۔

● ۱۳۸۶ھ، مطابق ۱۹۶۶ء، ۲۰۲۳ بکرمی میں آپ کی بڑی صاحبزادی محترمہ راشدہ خاتون کی ولادت ہوئی۔

● ۹/ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ، مطابق ۱۶/فروری ۱۹۷۰ء، ۵/پھاگن ۲۰۲۶ بکرمی میں آپ کی چھوٹی شہزادی محترمہ ساجدہ خاتون کی ولادت ہوئی۔

● ۱۳۹۴ھ، مطابق ۱۹۷۴ء، ۲۰۱۳ بکرمی میں دوسرے صاحبزادہ محمد ذکاء المصطفی کی ولادت ہوئی۔

● ۲۰/رجب ۱۳۹۶ھ، مطابق ۱۸/جولائی ۱۹۷۶ء، ۳/ساون ۲۰۳۳ بکرمی میں آپ کے تیسرے صاحبزادہ حافظ وقاری محمد رضاء المصطفی برکاتی کی ولادت ہوئی۔

● ۱۶/ذیقعدہ ۱۳۹۸ھ، مطابق ۱۹/اکتوبر ۱۹۷۸ء، ۲/کارتک ۲۰۳۵ بکرمی میں آپ کے چوتھے صاحبزادے محترم ثناء المصطفی برکاتی کی ولادت ہوئی۔

● ۴/محرم ۱۴۰۳ھ، مطابق ۲۱/اکتوبر ۱۹۸۲ء، ۴/کارتک ۲۰۳۹ بکرمی میں سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت حافظ وقاری محمد فداء المصطفی برکاتی کی ولادت ہوئی۔

● ۲/شوال ۱۴۰۷ھ میں حضور احسن العلماء علیہ الرحمہ نے آپ کے مجموعہ کتاب فتاوی برکات حصہ اول پر تقریظ جلیل تحریر فرمائی۔ نمونہ کے طور پر نقل کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

۷۸۶ / ۹۲

اس فقیر ہیچمداں وہیچ میرز بے بضاعت نے اس کتاب میں درج دینی فتاوائے مبارکہ کی نقول کی زیارت کی جو اخی فی اللہ ذی المجد والجاہ مولانا **مفتی حافظ محمد جیش صاحب صدیقی برکاتی زید مجدہم السامی** شیخ الحدیث جامعہ حنفیہ غوثیہ شہر جنکپور دھام راج نیپال کے قلم حق رقم کی کاوش کا ثمرہ ہیں۔ اپنے ٹوٹے پھوٹے علم کے مطابق ان

مبارک فتاویٰ دینیہ کو میں نے مسائل صحیحہ حقہ رجیحہ پر مشتمل پایا اور اپنی کم نظری کے پیش نظر اغلاط شرعیہ سے پاک اور صاف۔ رب قدوس جل جلالہ بطفیل حبیب لولاک علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم سب کو توفیق خیر رفیق فرمائے۔ ہم ان پر سچے دل سے عمل کریں اور اپنے لئے انہیں مشعل راہ بنائیں۔ **ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ وانا الفقیر الحقیر الحافظ السید الشاہ مصطفیٰ حیدر المعروف بحسن البرکاتی عفی عنہ** سجادہ نشین درگاہ برکاتیہ مارہرہ ضلع ایٹہ نزیل بمبئی دوم شوال ۱۴۰۷ھ۔

● ۱۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ، مطابق ۱۹؍نومبر ۱۹۹۱ء، ۳؍اگہن ۲۰۴۸ء بکرمی میں ایک استفتاء کے جواب میں ایک رسالہ بنام "کعبہ یا مزار آدم" کی تصنیف فرمائی۔

● ۲۶؍ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ، مطابق ۹؍اگست ۱۹۸۸ء، ۲۵؍ساون ۲۰۴۵ء بکرمی میں ہدیۃ الانام فی جواب السمر نام کی تصنیف فرمائی جو امریکہ سے آئے ہوئے استفتاء کا تفصیلی اور تحقیقی جواب ہے۔

● ۲۹؍ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ، مطابق ۲؍اپریل ۲۰۱۱ء، ۱۹؍چیت ۲۰۶۷ء بکرمی میں تحفہ برکات کی تصنیف فرمائی اور محرم ۱۴۳۵ھ مطابق نومبر ۲۰۱۳ء میں اس میں کچھ اضافہ فرمایا جو ربیع الاول ۱۴۳۵ھ مطابق جنوری ۲۰۱۴ء میں چھ ہزار کی تعداد میں چھپ کر منظر عام پر آئی۔

● محرم ۱۴۱۱ھ مطابق اگست ۱۹۹۰ء، ساون ۲۰۴۷ء بکرمی میں داڑھی کی شرعی حد و حیثیت کی تصنیف سے فارغ ہوئے۔

● ۲؍ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۷؍جولائی ۱۹۸۷ء، ۱۱؍ساون ۲۰۴۴ء بکرمی میں تنویر الابصار لاقامۃ الاخیار کی تصنیف سے فارغ ہوئے۔

● ۲۹؍ربیع الآخر ۱۴۰۷ھ مطابق ۳۰؍دسمبر ۱۹۸۶ء، ۱۵؍پوس ۲۰۴۳ء بکرمی میں اذان خطبہ سے متعلق ایک استفتاء کا تحقیقی اور جامع جواب تحریر فرمایا۔ تنویر

الابصار لاقامۃ الاخیار اور اذان خطبہ دونوں کو یکجا کر کے بنام اذان خطبہ اور اقامت کے مسائل فقیر کی کوشش سے بزبان ہندی منظر عام پر آئی۔ اور الحمد للہ اس وقت اردو میں اس کتاب کی کمپوزنگ مکمل ہو گئی ہے۔ ان شاء اللہ مستقبل قریب میں اس کی بھی اشاعت ہو جائے گی۔ ص ۸

● ۶؍شوال ۱۴۰۶ھ، مطابق ۱۳؍جون ۱۹۸۶ء، ۲۴؍پوش ۲۰۷۰ء بکرمی میں بیس رکعت تراویح دلائل کی روشنی میں کی تصنیف کی جس میں دلائل قاطعہ کا انبار ہے۔

● ۱۴۰۷ھ، مطابق ۱۹۸۶ء، ۲۰۴۳ء بکرمی میں طلاق کے دو اہم باب کی تصنیف فرمائی جو غیر مقلد کے رد میں ایک خوب صورت گلدستہ ہے۔

● ۲۵؍محرم ۱۴۱۷ھ، مطابق ۹؍اگست ۱۹۹۶ء، ۳؍بھادوں ۲۰۵۳ء بکرمی میں مانع حمل دواؤں کا حکم ایک مختصر مگر جامع رسالہ تصنیف فرمایا۔

● ۱۴۰۶ھ، مطابق ۱۹۸۶ء، ۲۰۴۳ء بکرمی میں فتاویٰ برکات حصہ اول کی طباعت ہوئی اور ملک نیپال کی تاریخ میں سب سے پہلا مجموعہ فتاویٰ ہے جو شائع ہوئی اور عوام و خواص میں کافی پذیرائی ہوئی۔

● ۲۸؍ذی القعدہ ۱۴۳۰ھ، مطابق ۱۷؍نومبر ۲۰۰۹ء، ۲؍اگہن ۲۰۶۶ء بکرمی میں فتاویٰ برکات حصہ دوم کی طباعت ہوئی جس میں حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا دام ظلہ العالی کی تقریظ کے ساتھ دوسرے علمائے اہل سنت کی تصدیقات بھی ہیں۔

● ۱۳؍رجب ۱۴۰۹ھ، مطابق ۱۸؍فروری ۱۹۸۹ء، ۷؍پھاگن ۲۰۴۵ء بکرمی میں پھلواری کے رد میں آپ نے پہلا فتویٰ تحریر فرمایا جس سے بہت سے سنی مسلمانوں کے ایمان و عقیدے کی حفاظت ہو گئی۔

● ۲۳؍صفر ۱۴۱۶ھ، مطابق ۲۰؍جولائی ۱۹۹۵ء، ۴؍ساون ۲۰۵۲ء بکرمی میں پھلواری کے رد میں دوسرا تفصیلی فتویٰ تحریر فرمایا جس سے علماء نیپال اور علماء بہار

نے حقائق کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور ببانگ دہل "**الحق یعلو ولا یعلیٰ**" کا نعرہ بلند کیا۔

● ربیع الاول ۱۴۰۱ھ، مطابق جنوری ۱۹۸۱ء، پوش ۲۰۳۷ بکرمی میں بیع سلم سے متعلق حضور فقیہ ملت علیہ الرحمہ کے دارالافتاء میں ایک استفتاء بھیجا جس کا جواب ۱۸؍ربیع النور ۱۴۰۱ھ، ۲۵؍جنوری ۱۹۸۱ء، ۱۲؍ماگھ ۲۰۳۷ بکرمی میں تحریر فرما کر آپ کے پاس روانہ فرمایا۔ استفتاء یہ ہے:

محترم المقام لائق صد احترام حضرت مفتی صاحب قبلہ السلام علیکم! عرض یہ ہے کہ ایک شبہ کا ازالہ فرما دیں کرم ہوگا۔ وہ یہ کہ بہار شریعت حصہ یازدہم ص ۱۷۵ پر بیع سلم کے سلسلہ میں مرقوم ہے کہ مسلم فیہ وقت عقد سے ختم میعاد تک برابر دستیاب ہوتا رہے الخ۔ اور ص ۱۷۷ پر ہے کہ نئے گیہوں میں سلم کی اور ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے ہیں یہ ناجائز ہے۔ یہی اردو عالمگیری ص ۱۱ میں لکھا ہے، قانون شریعت میں بھی یہی تحریر ہے اور ہدایہ جلد دوم باب سلم میں جو حدیث شریف مروی ہے نیز صاحب ہدایہ کی تعلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع سلم اس نئے دھان میں جائز نہ ہونا چاہئے جو ابھی موجود نہ ہوئے ہیں۔ قدوری وغیرہ میں بیع سلم کے جواز سے متعلق جو شرائط مذکور ہیں ان سے یہی پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اطراف میں اگہن آنے سے ایک دو ماہ قبل نئے دھان پر رو پیہ دیتے ہیں وہ جائز نہ ہو۔ کیونکہ مسلم فیہ وقت عقد موجود نہیں ہے، نہ بازار میں نہ گھر میں۔ بلکہ کھیت میں پودا کی صورت میں ہے۔ اور بہار شریعت نیز عالمگیری، ہدایہ، قدوری وغیرہ کی عبارت سے ظاہر ہے کہ جائز نہ ہو۔ اور آپ نے اپنی کتاب انوار الحدیث میں یہ عبارت تحریر فرمائی ہے "مثلاً زید نے فصل تیار ہونے سے پہلے بکر سے کہا کہ آپ سو روپے ہمیں دیجئے الخ"۔ بخاری اور مسلم کی جن حدیثوں کو آپ نے پیش کیا ہے ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیع سلم نئے دھان اور نئے گیہوں وغیرہ میں جو ابھی پیدا نہ ہوئے ہیں جن کی فصل تیار نہ ہوئی ہے جائز ہے

لہٰذا رفع اشکال کی کیا صورت ہوگی تحریر فرمائیں۔

نوٹ: اس استفتاء کا جواب فتاویٰ فیض الرسول ج ۲ ص ۴۰۷ پر ملاحظہ کریں۔

● جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ، مطابق اپریل ۱۹۸۱ء، چیت ۲۰۳۷ بکرمی میں پھر دوسرا استفتاء حضور شیر نیپال نے حضور فقیہ ملت کے پاس بھیجا جس کا جواب ۲؍جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ، مطابق ۷؍اپریل ۱۹۸۱ء، ۲۵؍چیت ۲۰۳۷ بکرمی میں ملا۔ وہ استفتاء یہ ہے:

فیض مآب حضرت علامہ مفتی دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف دامت فیوضکم العالیہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ! حضرت کا فتویٰ مع نامہ ایک ہفتہ قبل تشریف لاکر نظر نواز ہوا، ذرہ نوازی کا بہت بہت شکریہ۔ مطالعہ کے بعد ایک شبہ کا ازالہ ہوا اور ایک کا اضافہ۔ وہ یوں کہ اگر کھیت کی قابل انتفاع شئی کو (جو ابھی بازار میں نہیں ملتی ہے) بازار میں موجود ہونے کا حکم دیا جائے جیسا کہ حضرت کے فتویٰ سے مفہوم ہوتا ہے تو جو شئی گھر میں موجود ہے اور بازار میں نہیں ملتی اسے بدرجۂ اولیٰ بازار میں موجود ہونے کا حکم دیا جا سکتا ہے کہ مقدور التسلیم ہے۔ حالانکہ بہار شریعت حصہ یازدہم ص ۱۷۵ پر موجود ہونے کا یہ معنی بیان فرمایا ہے کہ بازار میں ملتا ہو اور اگر بازار میں نہ ملتا ہو اور گھروں میں ملتا ہو تو موجود ہونا نہ کہیں گے۔ تو فتویٰ اور بہار شریعت کی اس عبارت میں ٹکراؤ مفہوم ہوتا ہے اندفاع کی صورت تحریر فرمائیں۔

نوٹ: اس استفتاء کا جواب فتاویٰ فیض الرسول ج ۲ ص ۴۰۸ پر ملاحظہ کریں۔

● ۱۱؍جمادی الآخر ۱۳۹۷ھ ۱؍جولائی ۱۹۷۷ء ۱۷؍آساڑھ ۲۰۳۴ بکرمی میں آپ کے پیر و مرشد حضور سید العلماء سید شاہ آل مصطفیٰ علیہ الرحمہ کا وصال ہوا۔

● ۱۹؍محرم ۱۴۱۶ھ، ۱۵؍جون ۱۹۹۵ء، ۲۲؍جیٹھ ۲۰۵۲ بکرمی میں حضور شارح بخاری علیہ الرحمہ نے آپ کے نام ایک خط لکھا جس میں پھلواروی سے متعلق مشورہ دیا تھا اور اس بات کا بھی ذکر کیا تھا کہ امان اللہ پھلواروی کی تحریر آپ نے بریلی

شریف میں حاصل کی تھی جس کے ذریعے پھلواری کے سیکڑوں مریدین کی بیعت توڑوائی اور مشائخ اہل سنت سے مرید کرایا۔

● ۳/ ذیقعدہ ۱۳۹۳ھ، مطابق ۲۸/ نومبر ۱۹۷۳ء، ۱۳/۱ اگہن ۲۰۳۱ء بکرمی میں حضور سید العلماء نے آپ کے نام ایک خط لکھا۔

● ۲۲/ ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ، مطابق ۱۷/ جنوری ۱۹۷۴ء، ۴/ ماگھ ۲۰۳۰ء بکرمی میں ایک اور خط تحریر فرمایا۔

● ۲۰/ صفر المظفر ۱۳۹۴ھ، مطابق ۱۳/ مارچ ۱۹۷۴ء، ۳۰/ پھاگن ۲۰۳۰ء بکرمی میں بھی ایک خط تحریر فرمایا۔

● ۶/ رجب المرجب ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۵ جولائی ۱۹۷۴ء، ۱۰/ ساون ۲۰۳۱ء بکرمی میں حضور نظمی میاں نے ایک خط آپ کے پاس روانہ کیا جو اس خط کے جواب میں تھا جسے حضور شیر نیپال نے حضور سید العلماء کے وصال کی تعزیت میں لکھا تھا۔ حضور نظمی میاں نے اس خط میں آپ کو ۲۰/۲۱/ رجب ۱۳۹۴ھ، ۹/۱۰/ اگست ۱۹۷۴ء، ۲۵/۲۶/ ساون ۲۰۳۱ء بکرمی کے حضور سید العلماء کے عرس چہلم میں شرکت کی دعوت بھی دی تھی۔

● ۸/ جمادی الآخر ۱۴۰۷ھ، مطابق ۸ فروری ۱۹۸۷ء، ۲۵/ ماگھ ۲۰۴۳ء بکرمی میں بھی حضور نظمی میاں نے آپ کے نام ایک خط تحریر فرمایا تھا جس کی تحریر یہ ہے: محترم مفتی صاحب قبلہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ والد ماجد حضور سید العلماء علیہ الرحمہ کا عرس ان شاء اللہ تعالیٰ ۱۰/۱۱/ مارچ ۱۹۸۷ء کو آستانہ عالیہ مارہرہ مطہرہ میں منعقد ہو رہا ہے۔ خصوصی دعوت نامہ حاضر ہے امید ہے شرکت فرما کر فقیر برکاتی کو ممنون فرمائیں گے اور اپنے حلقہ میں عام اعلان فرمادیں جملہ برکاتی احباب کو سلام مسنون۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ والسلام۔ سید آل رسول حسنین سجادہ نشین آستانہ برکاتیہ نوریہ مارہرہ مطہرہ۔

● ۱۳۸۹ھ، مطابق ۱۹۶۹ء میں آپ کے جد امجد الحاج محمد اصغر علی مرحوم کی وفات ہوئی۔

● ۱۴/ محرم ۱۴۲۳ھ، مطابق ۲۸/ مارچ ۲۰۰۲ء، ۱۵/ چیت ۲۰۵۸ء بکرمی میں حضرت علامہ مفتی محمد مجیب الرحمٰن برکاتی کی کتاب "پیغام شریعت" پر تقریظ لکھی۔

● ۱/ ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ، ۱۹/ اکتوبر ۲۰۰۹ء، ۲/ کارتک ۲۰۶۶ء بکرمی میں "جنت کی خوشبو" پر دعائیہ کلمات تحریر فرمائے۔

● ۱۰/ محرم ۱۴۳۲ھ، مطابق ۱۶/ دسمبر ۲۰۱۰ء، ۱۲/ اگہن ۲۰۶۷ء بکرمی میں "سورہ اخلاص اور کلمہ شریف کے فضائل" پر تقریظ تحریر فرمائی۔

● ۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ، ۲۸/ مارچ ۲۰۱۳ء، ۱۵/ چیت ۲۰۶۹ء بکرمی میں آپ نے مجمع البرکات فاؤنڈیشن قائم فرمایا۔

● ۲۴/ رجب المرجب ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۴/ اگست ۱۹۷۳ء میں آپ نے حضرت حسن المنیاوی آفندی مصری کے نام ایک عربی خط تحریر فرمایا جس کی تحریر اس طرح ہے:

معدن الجود والعطاء بحر الكرم والسخاء حضرة حسن المنياوى آفندى لا زالت بدور اقبالكم بازغة و شموس افضالكم طالعة اما بعد! فقد وصلني كتابكم الكريم فتولته بكل توقير و تعظيم كيف اصف لكم السرور والفرح عند تلاوة كتابكم العظيم و كيف اعبر لكم عما دخلني من البسط والانشراح عند ما علمت بما اطلعتموه وهديتموه فحمدنا الله تعالىٰ حمدا كثيرا وشكرت شكرا عظيما وادعو لكم بلسان الاخلاص انشاء الله المولىٰ لا انساه هذا الاحسان ابدا ولا يمل لساني قط ذكركم. في السبوع والسبوعتين ازوركم ان شاء الله تعالىٰ وبارك. والسلام. محمد جيش صديقي صدر المدرسين

دار العلوم حنفیہ جنکفور دام نیفال. تحریر افی اربعة و عشرین من شهر رجب المرجب سنة ثلثة و تسعین و ثلثمأة و الف من الهجرة النبوية الموافقة اربعة عشرین من اغسطس من العیسویة۔

● ۱۳؍رجب المرجب ۱۴۱۷ھ، مطابق ۲۵؍ نومبر ۱۹۹۶ء، ۱۰؍اگہن ۲۰۵۳ بکرمی میں حضرت علامہ مفتی محمد کوثر رضوی خلیفہ حضور بدر ملت علیہ الرحمہ دام ظلہ العالی کے نام ایک خط تحریر فرمایا اس خط کی تحریر درج ذیل ہے:

۷۸۶/ ۹۲

عظیم المرتبت، رفیع الدرجت، قاطع دین پھلواریت، شیدائے مسلک اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت، صوفی دوراں، محقق زماں، قدوۂ ہمعصراں حفظہ وسلمہ الرحمٰن فی کل آن و حال وشان السلام علیکم ورحمۃ المولیٰ تعالیٰ وبرکاتہ بخیر وطالب خیر۔ آپ کا والا نامہ تشریف لایا خوشی ومسرت کا باعث بنا۔ ضمیمہ دیکھ کر انتہائی شادمانی ہوئی، دل سے دعا نکلی کہ خداوند کریم اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صدقہ وطفیل دائما مامون ومحفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین اور آپ کے جواہر پاروں سے ہر انصاف پسند فیض پائے اور جہالت وضلالت والے ہدایت آئین۔ آپ نے قوم کو گمرہی سے بچانے کے لئے انوار کے بلند منار پیش فرمائے ہیں۔ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب راچہ گناہ؟ میں آپ کی ہر دینی رائے اور حکمت و موعظت سے من کل الوجوہ متفق ہوں۔ والسلام مع الاحترام۔

طالب دعا جیش محمد صدیقی برکاتی ۱۳؍۷؍۱۴۱۷ھ

● ۱۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ، ۲۵؍مطابق مارچ ۲۰۱۳ء، ۱۲؍چیت ۲۰۶۹ بکرمی کو آپ نے حضرت علامہ مولانا انوار احمد قادری بانی جامعہ غوثیہ غریب نواز (اندور) کو حضور احسن العلما ایوارڈ اور محبوب الاولیا کا لقب عطا فرمایا۔ اور ۲۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ، ۷؍مارچ ۲۰۱۳ء، ۱۴؍چیت ۲۰۶۹ بکرمی کو توصیف نامہ تحریر فرما کر فقیر کی معرفت روانہ فرمایا۔ توصیف نامہ کی تحریر یہ ہے:

۷۸۶/ ۹۲

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم والہ وصحبہ اجمعین

حضرت علامہ مولانا المکرم مفتی محمد انوار احمد قادری برکاتی رضوی مدظلہ العالی سربراہ اعلیٰ جامعہ غوثیہ غریب نواز گجرانہ (اندور) کی دینی ملی مذہبی خدمات جامعہ جا کر دیکھا۔ دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا بے شک آپ کی دینی سرگرمیاں قابل ستائش اور لائق تحسین ہیں۔ خداوند کریم اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صدقہ آپ کو صحت وسلامتی کے ساتھ مزید درمزید دینی خدمات کے مواقع عطا فرمائے آمین۔ ملک نیپال جلسہ ''قاسم نعت کانفرنس'' منعقدہ ۲۴؍ ۲۵؍مارچ ۲۰۱۳ء میں شرکت کی غرض سے تشریف لائے۔ ۲۵؍مارچ کو آپ کو ''احسن العلماء ایوارڈ'' اراکین جلسہ کی جانب سے اور ''محبوب الاولیاء'' کا خطاب راقم کی جانب سے اور ممبر نور پر تشریف فرما علماء کرام کی جانب سے پیش کیا گیا اور آپ نے قبول کیا۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ و الہ واصحابہ اجمعین۔

دعا گو گدائے برکاتی محمد جیش محمد صدیقی برکاتی شیخ الحدیث جامعہ حنفیہ غوثیہ جنکپور نیپال، وصاحب سجادہ خانقاہ برکات لہنہ شریف (نیپال) ۱۴؍ ۵؍ ۱۴۳۴ھ، ۲۷؍ ۳؍ ۲۰۱۳ء۔

☆ ۱۲؍محرم ۱۴۳۵ھ، مطابق ۱۳؍نومبر ۲۰۱۳ء، ۲۷؍کارتک ۲۰۷۰ بکرمی میں آپ نے اپنے معتمد و خاص شاگرد حضرت علامہ مولانا الحاج مفتی احمد حسین مصباحی کو سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی خلافت واجازت عطا فرمائی۔

● ۱۰؍ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ، ۴؍مطابق مارچ ۲۰۱۲ء، ۲۱؍پھاگن ۲۰۶۸ بکرمی کو حضرت علامہ مولانا محمد عارف صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد رفیق الاسلام رضوی کو خلافت واجازت عطا فرمائی۔

● ۱۶؍محرم ۱۴۳۵ھ، ۱۷؍مطابق نومبر ۲۰۱۳ء، ۲؍اگہن ۲۰۷۰ بکرمی میں

مجھ فقیر گدائے مصطفیٰ ابو العطر محمد عبدالسلام امجدی برکاتی کو خلافت و اجازت عطا فرمائی۔

● ۲۱/اپریل ۲۰۱۴ء میں خلف اکبر حضرت مولانا ضیاء المصطفیٰ برکاتی ازہری کو خلافت و سجادگی بعد نماز عصر ختم بخاری کے بعد عطا فرمائی اور اسی تاریخ کو شب کے جلسہ میں اس کا اعلان فرمایا اور خرقہ بھی پہنایا۔

● ۲۱/اپریل ۲۰۱۴ء جلسہ برکات النبی میں فقیہ النفس حضرت علامہ مفتی احمد حسین برکاتی زید مجدہ السامی اور راقم السطور کی خلافت و اجازت کا مجمع عام میں اعلان ہوا۔

● اسی پروگرام میں مجھ فقیر کو مجمع عام میں فجر کے قریب میری خلافت کا اعلان فرمایا۔

● ۲۰/اپریل ۲۰۱۷ء میں سہ ماہی ندائے برکات کا اجرا ہوا۔

● دسمبر ۲۰۱۷ء، ربیع الآخر ۱۴۳۹ھ میں بغداد شریف کی حاضری کا شرف حاصل ہوا۔

طالب دعا

ابو العطر **محمد عبد السلام امجدی** برکاتی غفرلہ ولوالدیہ ولمشائخہ

تارا پٹی (نیپال)

کتاب الصلوٰۃ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل سوالات میں۔ تداعی کے ساتھ نماز نفل پڑھنا مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟ (۲) ننگے سر کھانا کھانا اور کھڑا ہو کر کھانا یا پینا مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی؟ (۳) سال میں پانچ دن روزہ رکھنا حرام ہے، اگر اسی دن کوئی روزہ رکھے تو روزہ ہوگا یا نہیں؟ (۴) تہجد کے لئے کیا سونا فرض ہے یا واجب، سنت مؤکدہ یا شرط؟ اگر کوئی نہ سوئے تو تہجد ہوگی یا نہیں؟ یا نماز تہجد ہو جائے گی لیکن گنہگار ہوگا مثلاً اگر سونا شرط ہے اب کوئی نہ سوئے تو شرط کا ترک ہوگا۔ لہٰذا گنہگار ہوگا یا نہیں؟ (۵) نزہۃ القاری میں ہے کہ احناف کے یہاں مختار یہ ہے کہ امام و منفرد تسمیع و تحمید دونوں کہیں اور مقتدی تحمید جواب طلب ہے کہ احناف کے یہاں مختار ان دونوں میں کون ہے؟ اور فتاویٰ مصطفویہ میں ہے کہ امام صرف تسمیع پر اکتفا کرے اگرچہ امام اعظم سے ایک روایت میں اور صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ تسمیع و تحمید دونوں کہے مگر ظاہر الروایہ میں امام اعظم سے یہی ہے کہ امام تسمیع پر اکتفاء اور مقتدی تحمید کرے پس جواب طلب ہے کہ عمل کس پر کیا جائے گا؟

مرآۃ المناجیح جلد دوم ص ۴۳۳ پر ہے کہ فاسق کو امام نہ بناؤ لیکن بن گیا ہو تو ان کے پیچھے نماز پڑھلو کیا یہ قول صحیح ہے؟ شہر رمضان شریف کے روزہ کے بعد کس مہینہ کا روزہ بہتر ہے۔

المستفتی: عبدالغفار خاں نوری

صدر المدرسین مدرسہ امجدیہ ثناء المصطفیٰ مورخہ ۱۰/ربیع الاول ۱۴۳۴ھ

الجواب: بعون الملك الوهاب: نماز با جماعت علی سبیل المواظبۃ والتداعی کہ چار شخص ایک کی اقتدا کرے مکروہ تنزیہی خلاف اولیٰ ہے۔ تحریمی نہیں

کہ گناہ ہوا گر احیانا ہوئی تو مباح غیر مکروہ۔

ردالمحتار ج ۱، ص ۵۲۵ پر ہے:

"فی الحلیۃ الظاہرۃ ان الجماعۃ غیر مستحبۃ ثم ان کان احیانا لما فعل عمر کان مباحا غیر مکروہ وان کان علی سبیل المواظبۃ کان بدعۃ مکروھۃ و فی حاشیۃ البحر للخیر الرملی و النفل بالجماعۃ غیر مستحب لانہ لم تفعل الصحابۃ فی غیر رمضان اھ۔" وھو کالصریح انہا کراھۃ تنزیہ تأمل اھ۔"

(۲) عالمگیری ج ۴، ص ۱۰۲ ردالمحتار ج ۵، ص ۲۳۹ پر ہے:

"واللفظ للھندیۃ لاباس بالاکل مکشوف الراس وھو المختار کذا فی الخلاصۃ" کلمۂ لاباس کے استعمال سے معلوم ہوا کہ ننگے سر کھانا خلاف اولی ہے۔ فتاوی رضویہ دہم میں ہے:

ننگے سر کھانا ہنود کی رسم اور خلاف سنت ہے۔ ہاں کوئی عذر ہو تو حرج نہیں۔ اھ

زمزم شریف اور بقیۂ وضو کے سوا کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے۔

مسلم شریف ج ۲، ص ۱۷۳ پر امام نووی فرماتے ہیں:

"و الصواب فیہا ان النہی فیہا محمول علی کراھۃ التنزیہ و اما شربہ صلی اللہ علیہ وسلم قائما فبیان للجوز فلا اشکال ولا تعارض اھ۔ اور بخاری شریف ج ۲، ص ۸۴۰ پر ہے:

"ثم قام فشرب فضلہ وھو قائم الخ" کے تحت حاشیہ پر ہے:

"و استدل بہذہ الاحادیث علی جواز الشرب قائما وھو مذھب الجمھور و کرھہ قوم لحدیث انس عند مسلم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم زجر علی الشرب قائما لکنہم حملوا النہی علی الاستحباب۔"

اور اشعۃ اللمعات شریف ج ۳، ص ۵۲۶ پر ہے:

"عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال کنا ناکل علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و نحن نمشی و نشرب و نحن قیام" کے تحت فرماتے ہیں رضی اللہ تعالی عنہ وارضاہ عنا: "خوردن در حالت مشی و نوشیدن در حالت قیام اصل جواز وارد و مختار و اولی است کہ خوردن در مشی و رکوب خلاف ادب است و ہمچنین نوشیدن در قیام چنانکہ گذشتہ رواہ الترمذی و ابن ماجہ و الدارمی۔ "و قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح غریب" اور ج ۳، ص ۵۲۳ پر فرماتے ہیں: "وصواب آنست کہ تعارض در احادیث نیست و نہی از برائے تنزیہ است و فعل حضرت برائے بیان جواز بود انتہی"

(۳) ان دنوں میں روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اگر کسی نے انہیں ایام میں روزہ رکھنے کی منت مانی ہے۔ اور انہیں میں روزہ رکھا تو عہدہ سے بری حرمت کے ساتھ ہوگا۔ یعنی روزہ ہو جائے گا مگر صائم گنہگار ہوگا۔

درمختار میں ج ۲، ص ۱۹ پر ہے:

"والمکروہ تحریما کالعیدین"

اور ردالمحتار میں اس کے تحت ہے:

"(قولہ کالعیدین) ای و ایام التشریق نہر"

اور درمختار ج ۲، ص ۱۳۵ میں ہے:

"ولو نذر صوم الایام المنہیۃ او صوم ھذہ السنۃ صح مطلقا علی المختار وفرقوا بین النذر و الشروع فیہا بان نفس الشروع معصیۃ و نفس النذر طاعۃ فصح ولکنہ افطر الایام المنہیۃ وجوبا تحامیا عن المعصیۃ و قضاہا اسقاطا للواجب و ان صامہا خرج عن العھدۃ مع الحرمۃ"

(۴) تہجد کے لئے بعد عشاء ہونا شرط ہے اور "اذا فات الشرط فات

المشروط" کے قاعدے بلاسوئے تہجد نہیں۔

ردالمحتار ج ۱ ص ۵۰۶ میں ہے:

"انہ فی الاصطلاح التطوع بعد النوم و اید بما فی معجم الطبرانی من حدیث الحجاج بن عمرو رضی اللہ عنہ قال یحسب احدکم اذا قام من اللیل یصلی حتی یصبح انہ قد تہجد انما التہجد المرأ یصلی الصلوٰۃ بعد رقدۃ۔" اور جب شروط موقوف خود فرض نہیں، واجب نہیں۔ سنت مؤکدہ نہیں تو اس کی شرط موقوف علیہ کے ترک سے کیوں گناہ ہوگا۔ یہ تو صرف سنت مستحبہ ہے پڑھے تو ثواب نہ پڑھے تو گناہ نہیں۔ ہاں اگر یہ فرض ہوتا، یا واجب تو قصداً ترک سے گناہ ہوتا، یا سنت مؤکدہ تو اصرار پر مورد الزام ہوتا جب یہ نہیں تو گناہ کیسا۔

(۵) درمختار ج ۱، ۳۵۳ میں ہے:

"والتسمیع للامام والتحمید لغیرہ۔"

ردالمحتار میں ہے:

"(قولہ لغیرہ) ای لمؤتم و منفرد لکن سیأتی ان المعتمد ان المنفرد یجمع بین التسمیع و التحمید و کذا الامام عندھما و ھو روایۃ عن الامام جزم بھا الشرنبلالی فی مقدمتہ۔

پھر درمختار ج ۱ ص ۳۶۷ پر ہے:

"ویکتفی بہ الامام وقالا یضم التحمید سرا ویکتفی بالتحمید والمؤتم و افضلہ اللھم ربنا ولک الحمد ثم حذف الواو ثم حذف اللھم فقط و یجمع بینھما لو منفردا علی المعتمد۔

اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے:

"(قولہ و قالا یضم التحمید) ھو روایۃ عن الامام ایضا و الیہ

مال الفضلی و الطحاوی وجماعۃ من المتأخرین معراج عن الظھیریۃ و اختارہ فی الحاوی القدسی و مشی علیہ فی نور الایضاح لکن المتون علی قول الامام (قولہ علی المعتمد) ای من اقوال ثلثۃ مصححۃ قال فی الخزائن و ھو الاصح کما فی الھدایۃ و المجمع و الملتقی و صحح فی المبسوط انہ کالمؤتم و صحح فی السراج معزیا لشیخ الاسلام انہ کالامام قال الباقانی والمعتمد الاول اھ۔"

او بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۱ ص ۲۰۹ میں ہے:

"فان کان اماما یقول سمع اللہ لمن حمدہ ولا یقول ربنا لک الحمد فی قول ابی حنیفۃ و قال ابو یوسف و محمد و الشافعی یجمع بین التسمیع والتحمید وروی عن ابی حنیفۃ مثل قولھما۔ انتھی۔"

بالا بیان سے عیاں کہ تسمیع و تحمید دونوں امام کہے یہ قول صاحبین اور شافعی کا ہے اور یہی امام اعظم رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا سے بھی ایک روایت ہے اور اسی کی طرف فضلی اور طحاوی اور متاخرین کی ایک جماعت مائل ہوئی اور حاوی قدسی میں اس کو مختار بتایا نور الایضاح میں اس پر چلے لیکن متون قول امام کے مطابق ہے کہ امام صرف تسمیع کہے اور مقتدی صرف تحمید اور منفرد دونوں کہے۔

اقول: تعارض و تخالف کے وقت فتویٰ قول امام پر ہے اور جب متون و شروح و فتاویٰ میں تعارض ہو تو عمل و اعتماد متون پر ہوگا تو شروح اور فتاویٰ کی تصحیحیں اور مرجحین کی ترجیحیں علیہ الفتویٰ و ھو الصحیح و ھو المعتمد جیسے الفاظ سے بھی ہوں اور متون کے خلاف ہوں تو رد کر دی جائیں گی اور متون کے خلاف کسی کی ترجیح و اختیار کی طرف التفات نہ کیا جائے گا۔ فی الدر المختار یفتی بقول الامام علی الاطلاق ثم بقول الثانی ثم الثالث الخ۔

فتاویٰ رضویہ میں اسی سے ہے:

"حیث تعارض متنه و شرحه فالعمل علی المتون۔"

اور ردالمحتار ص ۵۳ پر ہے:

"ان ما فی المتون مقدم علی ما فی الشروح و ما فی الشروح مقدم علی ما فی الفتاوٰی"۔

اسی میں ہے:

"المقرر عندنا انه لا یفتی و یعمل الا بقول الامام الاعظم و لا یعدل عنه الی قولهما و قول احدهما او غیرهما الا لضرورة کمسئلة المزارعة و ان صرح المشائخ بان الفتاوٰی علی قولهما لانه صاحب المذهب و الامام المقدم اھ۔ و مثله فی البحر عند الکلام علی اوقات الصلوٰة و فیه من کتاب القضائی حل الافتاء بقول الامام بل یجب و ان لم یعلم من این قال۔"

اسی میں ہے:

"من البحر حیث قال الفتوٰی اذا اختلفت کان الترجیح لظاهر الروایة" اسی میں ہے: "قد جعل العلماء الفتوٰی علی قول الامام الاعظم فی العبادات مطلقاً و هو الواقع بالاستقراء ما لم یکن عنه روایة کقول المخالف کما فی طهارة الماء المستعمل و التیمم فقط عند عدم غیر نبیذ التمر کذا فی شرح المنیة الکبیر للحلبی فی بحث التیمم و قد صرحوا بان الفتوٰی علی قول محمد فی جمیع مسائل ذوی الارحام و فی قضاء الاشباه و النظائر الفتوٰی علی قول ابی یوسف فیما یتعلق بالقضاء کما فی القنیة و البزازیة اھ۔"

اسی میں ہے:

"و فی شرح البیری ان الفتوٰی علی قول ابی یوسف ایضاً فی

الشهادات و علی قول زفر فی سبع عشر مسئلة حررتها فی رسالة و ینبغی ان یکون هذا عند عدم ذکر اهل المتون للتصحیح و الا فالحکم بما فی المتون کما لا یخفی لانها صارت متواترة اھ۔"

اسی میں ہے:

"اذا اختلف التصحیح و الفتوٰی فالعمل بما وافق المتون اولی اھ۔ و فی العطایا النبویة قال الامام احمد رضا رضی الله المولیٰ تعالیٰ عنه و ارضاه عنا۔"

علما تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ ظاہر روایہ کے خلاف ہے وہ ہمارے ائمہ کا قول نہیں وہ سب مرجوع عنہا و متروک ہے۔

بحر الرائق میں ہے: "ما خرج عن ظاهر الروایة فهو مرجوع عنه و المرجوع عنه لم یبق قولاً له۔"

فتاوٰی خیریہ میں ہے: "صرحوا بان ما خرج عن ظاهر الروایة لیس مذهباً لابی حنیفة و لا قولاً له۔"

ردالمحتار میں ہے: "ما خالف ظاهر الروایة لیس مذهباً لا صحابنا۔"

درمختار میں ہے:

"الحکم و الفتیا بالقول المرجوع جهل و خرق للاجماع۔"

ردالمحتار میں ہے:

"کقول محمد مع وجود قول ابی یوسف اذا لم یصح او یقو وجهه و اولی من هذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاهر الروایة اذا لم یصح و الافتاء بالقول المرجوع عنه اھ۔"

اور فرماتے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاہ عنا اور فتوٰی جب مختلف ہو تو ظاہر الروایہ پر عمل واجب ہے کما فی البحر و الدر و غیرہما

اقول: محققین تصریح فرماتے ہیں کہ قول امام پر فتوٰی واجب ہے اس سے عدول نہ کیا جائے اگرچہ صاحبین خلاف پر ہوں اگرچہ مشائخ مذہب قول صاحبین پر افتاء کریں۔ "اللھم لضعف دلیل او تعامل بخلافه نص علی ذلك العلامة زین بن نجیم فی البحر و العلامة خیر الدین الرملی فی فتاواہ شیخ الاسلام صاحب الهدایة فی التجنیس و المحقق حیث اطلق فی الفتح والشریف الطحطاوی والسید الشامی فی حواشی الدر وغیرهم من اجلة العلماء الکرام الغر اھ۔"

اسی میں فرماتے ہیں علامہ ابراہیم حلبی نے ملتقی الابحر میں کہ تصریح فاضل شامی متون معتمد فی المذہب سے ہے۔ قول امام کو مقدم رکھا اور اسی پر حکم دے کر صاحبین کی طرف خلاف نسبت کیا۔ "حیث قال هذا قبل الدخول و کذا بعدہ و خلافا لهما۔" اور وہ خود دیباچہ ملتقی میں تصریح فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں جس قول کو مقدم لاؤں وہی ارجح ہے شارح نے فرمایا وہی مختار للفتوٰی ہے۔ متن اور شرح کی عبارت یہ ہے: "صرحت بذکر الخلاف بین ائمتنا و قدمت من اقاویلهم ما هو الارجح المختار للفتوی۔" اسی طرح فتاوٰی قاضی خاں میں امام علامہ فقیہ النفس نے قول امام کی تقدیم کی اور وہ اسی قول کو مقدم کرتے ہیں جو اشہر و اظہر ہو۔ خود اپنے فتوٰی کے خطبہ میں فرمایا: "قدمت ما هو الاظهر و افتتحت ما هو الاشهر۔" علماء فرماتے ہیں تو جسے یہ پہلے بیان کریں وہی قول معتمد ہے۔

حاشیہ طحطاوی میں ہے:

"اصطلاحه تقدیم اظهر فیکون هو المعتمد اھ۔ ذکرہ فی الکتاب الوصایا اول باب الوصی امام برهان الدین فرغانی۔"

صاحب ہدایہ کی عادت مستمرہ ہے کہ استدلال کے وقت قول مختار کی دلیل اخیر میں لاتے ہیں تاکہ اقوال سابقہ کے دلائل سے جواب ہوجائے اور نقل اقوال کے

وقت غالباً قول قوی کو پہلے ذکر فرماتے ہیں تاکہ اول صحیح مسئلہ سمع متعلم میں آئے۔

درمختار میں نہر الفائق سے ہے:

"تاخیر صاحب الهدایة دلیلهما رامی مسئلته کسد فلوسا لقرض ظاهر فی اختیار و قولهما اھ ذکرہ آخر باب الصرف قبیل التذنیب۔"

اسی طرح فتح القدیر میں ہے آفندی زین الدین رومی نتائج الافکار حاشیہ ہدایہ میں لکھتے ہیں:

"من عادة المصنف المستمرة ان یؤخر القوی عند ذکر الادلة علی الاقوال المختلفة لیقع المؤخر بمنزلة الجواب عن المقدم و ان کان قدم القوی فی الاکثر عند نقل الابواب۔"

اقول: اس مقام پر امام برہان الدین صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے اول مذہب امام کو نقل فرمایا اور اسی کی دلیل کو مؤخر بھی لائے۔ فرماتے ہیں ج ۱ ص ۸۹ پر:

"ثم یرفع راسه ویقول سمع الله لمن حمدہ ویقول المؤتم ربنا لك الحمد و لایقولها الامام عند ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی و قالا یقولها فی نفسه لما روی ابو هریرة رضی الله تعالٰی عنه ان النبی علیه السلام کان یجمع بین الذکرین و لانه حرض غیرہ فلاینسی نفسه ولابی حنیفة رحمه الله قوله علیه السلام اذا قال الامام سمع الله لمن حمدہ فقولوا ربنا لك الحمد هذہ قسمة انها تنافی الشرکة و لهذا لایاتی المؤتم بالتسمیع عندنا خلافاً للشافعی رحمه الله و لانه یقع تحمیدہ بعد تحمید المقتدی وهو خلاف موضوع الامامة و ما رواہ محمول علی حالة الانفراد و المنفرد یجمع بینهما فی الاصح و ان کان یروی الاکتفاء بالتسمیع و یروی بالتحمید و الامام بالدلالة علیه اتی به

معنی۔"

اس میں دلیل صاحبین کو برقرار بھی نہ رکھا اس کی تاویل فرمادی او رمذہب امام کو بوجوہ عدیدہ ترجیح دی۔

اس کے تحت علامہ سید جلال الملۃ والدین خوارزمی رحمۃ اللہ کفایہ حاشیہ ہدایہ ج ۱، ۲۶۰ میں فرماتے ہیں:

"(قوله ولا يقولها الامام عند ابی حنيفة رحمه الله) فان قيل ما جواب ابی حنيفة رحمه الله عما روی عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه خمس يخفيهن الامام وفی رواية اربع يخفيهن الامام وذكر منها التعوذ قلنا قال فی الاسرار انه غريب وحديث القسمة معروف مرفوع الی النبی عليه الصلوة والسلام برواية ابی موسیٰ الاشعری رضی الله تعالیٰ عنه فيرجح عليه۔"

اس سے مذہب امام کی صریح تائید ہوتی ہے:

"وفی العطايا النبوية قال رحمه الله تعالیٰ وتقدس"

اسی طرح "صدر الشريعه شرح وقايه و كافی شرح وافی و اختيار شرح مختار و مستخلص شرح كنز وغيرها" شروح میں مذہب امام پر دلیل قائم کی اور دلیل صاحبین کے جواب دیئے امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے فتح القدیر میں ترجیح ہدایہ اور علامہ شیخ زادہ عالم دیار رومیہ قاضی دولت عثمانیہ معاصر مستند صاحب درمختار نے مجمع الانہر میں تقدیم ملتقی اور علامہ یوسف چلپی نے ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح صدر الشریعۃ العظمیٰ میں متن و شرح اور محقق علامہ وسیع النظر دقیق الفکر محمد بن عابدین شامی نے ردالمحتار علی الدر المختار میں افادات درمختار کو مقرر و مسلم رکھا اور ترجیح مذہب امام میں خلاف نزاع کی طرف بھی اشارہ نہ کیا پھر فرماتے ہیں آخر یہ علمائے محققین و عظمائے مدققین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین فتویٰ امام

صفار و اختیار بعض مشائخ سے غافل نہ تھے پھر قول امام ہی پر جزم و اعتماد فرماتے ہیں۔ کوئی تو قول صاحبین کا نام تک نہیں لیتا اور اکثر متون کا یہی حال ہے کوئی صاف وہ الفاظ بڑھاتا ہے جس سے ان کے مذہب کی صریح نفی ہوجائے کوئی صرف مذہب امام ہی پر دلیل قائم کرتا ہے کوئی دلیل صاحبین سے جواب دیتا ہے جنھوں نے وعدہ کیا کہ قول قوی کو مقدم لائیں گے وہ اسی مذہب کی تقدیم کرتے ہیں جنھوں نے التزام کیا کہ دلیل معتمد کی تاخیر کریں گے وہ اسی کی دلیل پیچھے لاتے ہیں۔ غرض طرح طرح سے ترجیح و تصحیح مذہب امام کا افادہ فرماتے ہیں۔ اور کبرائے ناظرین شراح و محشیین کے مذکور ہوئے تفرد و تسلیم سے پیش آتے ہیں۔ ناچار ماننا پڑے گا کہ ان سب کے نزدیک معتمد اور مرجح و محقق و منقح مذہب امام ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور قوت دلیل کہ مطالعہ ہدایہ و کافی و اختیار و کفایہ وغیرہا سے واضح ہوتی ہے۔ اس پر علاوہ پس جب کہ یہی مذہب امام اعظم ہے۔ اور اسی متون کا اجماع ہے اور اسی دلیل اقوی اور اس قدر کثرت، اس کے مرجحین نے توجہ کیا ہے کہ اس سے عدول کیا جائے حالانکہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مفتی مطلقاً قول امام پر فتویٰ دے اور قاضی عموماً مذہب امام پر فیصلہ کرے۔ یعنی جب کوئی ضرورت مثل تعامل المسلمین یا اجماع مرجحین علی الخلاف کے داعی ترک نہ ہو۔ "كما فی مسئلة جواز المزارعه و تحريم القليل من الماء المسكر۔" اور حکم دیتے ہیں کہ قول امام سے عدول نہ کیا جائے اگرچہ مشائخ اس کے خلاف پر فتویٰ دیں منیۃ و سراجیہ و محیط امام سرخسی اور فتاویٰ عالمگیری و بحر الرائق و نہر الفائق و فتاویٰ خیریہ تنویر الابصار و شرح علائی و حاشیہ طحطاوی وغیرہا کتب معتمدہ میں اس کی تصریح ہے۔

درمختار میں ہے:

"ياخذ القاضی كالمفتی بقول ابی حنيفة علی الاطلاق ثم بقول ابی يوسف ثم بقول محمد ثم بقول زفر و الحسن بن زياد وهو الاصح

منیۃ وسراجیۃ بحر الرائق" ایسا ہی فتاویٰ خیریہ میں ہے۔

پھر فرماتے ہیں رحمہ اللہ تعالیٰ وتقدس کتاب القضاء ردمختار میں فرماتے ہیں:

"یاخذ القاضی کالمفتی بقول ابی حنیفۃ علی الاطلاق۔" پھر منیۃ المفتی وفتاویٰ سراجیہ سے نقل کیا ہے۔ "ھو الاصح" ہاں ایک قول حاوی قدسی یہ لائے کہ قوت دلیل پر مدار ہے پھر اسے بھی برقرار نہ رکھا اور نہر الفائق سے نقل فرمایا: "الاول اضبط" اور تحقیق وتوفیق وہ ہے جو ماتن نے فرمایا کہ "لا یخیر الا اذا کان مجتہداً" یعنی جو خود مجتہد ہو وہ قوت دلیل پر نظر کرے اور ہم پر وہی ترتیب لازم کہ علی الاطلاق مذہب امام پر افتاء وقضاء کریں جب تک کوئی مانع قوی وعظیم نہ پایا جائے۔ کما نذکرہ ان شاء اللہ تعالیٰ. پھر فرماتے ہیں ہاں علما نے مسائل وقف وقضا کی نسبت بیشک فرمایا کہ وہاں غالباً قول ثانی پر فتویٰ ہے۔ اس سے ہر وہ امر کہ زیر قضا آ سکے مراد نہیں تا کہ امثال صوم وصلاۃ کے سوا نکاح وبیع وہبہ واجارہ ورہن وغیرہا تمام ابواب فقہ کو عام ہو جائے یوں تو وقف بھی اسی قبیل سے تھا پھر خاص کرا سے الگ گننے کے کیا معنی نہ ہرگز عالم میں کوئی عالم اس کا قائل اور خود ہزاروں ہزار کتب فقہ اس کے خلاف پر گواہ عادل کہ لاکھوں مسائل معاملات میں بھی قول امام پر ہی فتویٰ ہے اگرچہ رائے امام یوسف سے امام محمد بھی موافق ہوں بلکہ یہ امر خاص ان مسائل میں اکثر طور پر ہے جنہیں فقہاء کتاب القضاء وکتاب الوقف میں لکھتے ہیں۔ الاشباہ والنظائر میں جہاں یہ فائدہ زیر قاعدہ المشقۃ تجلب التیسیر لکھا وہاں یہی مسائل شمار کئے۔ "حیث قال و وسع ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فی القضاء و الوقف الفتویٰ علی قولہ فیما یتعلق بہما فجوز للقاضی تلقین الشاھد وجوز کتاب القاضی الی القاضی من غیر سفر ولم یشترط فیہ شیئاً مما شرطہ الامام و صحح الوقف علی النفس و علی جھۃ تنقطع و وقف المشاع و لو یشترط الی المتولی و لا حکم القاضی و جوز

استبدالہ عند الحاجۃ الیہ بلا شرط وجوزہ مع الشرط ترغیباً فی الوقف و تیسیراً علی المسلمین۔" علما فرماتے ہیں جو مسئلہ امام کے حضور طے نہ ہوا یا قیامت تک مضطرب رہے گا۔ امام ابویوسف بعض مسائل میں پریشان ہو کر فرماتے ہیں جہاں ہمارے استاد کا کوئی قول نہیں اس میں ہمارا یہی حال ہے۔

بحر الرائق مفسدات الصلوۃ میں ہے:

"لقد صدق صاحب الفتاوٰی الظہیریۃ حیث قال فی الفصل الثالث فی قرأۃ القرآن ان کل ما لم یرو عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فیہ یفتی کذالک مضطربا الی یوم القیامۃ وحکی عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انہ کان یضطرب فی بعض المسائل و کان یقول کل مسئلۃ لیس لشیخنا فیہا قول فنحن فیہا ھکذا انتہی۔" امام ابویوسف سے منقول ہے میں بعض مسائل میں جانتا ہوں حدیث میری طرف ہے تنقیح کے بعد کھلتا کہ امام نے جس حدیث سے فرمایا میرے خواب میں نہ تھی۔ او کما قال رحمہ اللہ تعالیٰ

علماء ارشاد فرماتے ہیں عمدہ ترین کتب مذہب متون ہے پھر شروح پھر فتاویٰ عند التخالف متون سب پر مقدم ہے اور فتاویٰ سب سے موخر۔

ردالمحتار میں ہے: "ما فی الفتاوٰی اذا خالف ما فی المشاھیر من الشروح لا یقبل۔" درمختار میں ہے: "حیث تعارض متنہ و شرحہ فالعمل علی المتون کما تقرر مراراً" بحر الرائق میں ہے: "اذا تعارض ما فی المتون و الفتاوٰی فالمعتمد ما فی المتون کما فی انفع الوسائل و کذا یقدم ما فی الشروح علی ما فی الفتاوٰی اہ نقلہ الشامی من القضا فی فصل الحبس۔"

حموی شرح اشباہ میں ہے:

"غیر خاف ان ما فی المتون و الشروح ولو کان بطریق المفهوم مقدم علی ما فی الفتاوی وان لم یکن فی عبارتها اضطراب۔"

مسلمان ترجیح جن میں ایک امام برہان الحق والدین فرغانی صاحب ہدایہ ہیں جن کی جلالت شان آفتاب نیم روز و ماہتاب نیم ماہ سے اظہر ایک امام محقق علی الاطلاق کمال الدین ابن الہمام ہیں جن کی نسبت علماء کی تصریح کہ پایۂ اجتہاد رکھتے ہیں یہاں تک کہ ان کے بعض معاصر انہیں لائق اجتہاد کہتے حالانکہ معاصرت دلیل منافرت ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

"قد مر غیر مرۃ ان الکمال من اہل الترجیح کما افادہ فی قضاء البحر بل صرح بعض معاصریہ بانہ من اہل الاجتہاد۔"

ایک علامہ فقیہ النفس قاضی خاں ہیں جن کی نسبت علما فرماتے ہیں ان کی تصحیح اوروں کی تصحیح پر مقدم ہے۔

"غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر" میں ہے:

فی تصحیح القدوری للعلامۃ قاسم انما یصححہ قاضی خاں من الاقوال یکون مقدما علی ما یصححہ غیرہ لانہ کان فقیہ النفس"

اور فرماتے ہیں ان کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے۔ ردالمحتار میں ہے:

"لکن علی ذکر مما قالوا لا یعدل عن تصحیح قاضی خان فانہ فقیہ النفس" بارہا یہ دیکھا گیا ہے کہ علماء نے شروح و فتاویٰ کے بعض صریح تصحیحیں صرف اس بنا پر رد کردی ہیں کہ متون اس کے خلاف پر ہیں۔

درمختار کی کتاب القسمۃ میں ہے:

"قال فی الخانیۃ وعلیہ الفتویٰ لکن المتون علی الاول فعلیہ المعول" دیکھو امام اجل قاضی خان سا مرجح وعلیہ الفتویٰ سا لفظ ترجیح جسے علما اکد

الفاظ تصحیح سے شمار کرتے ہیں بایں ہمہ کہا گیا کہ متون اول پر ہیں تو وہی معتمد ہے۔ امام کے نزدیک عصبات کے بعد ولایت نکاح ماں کو ہے قہستانی مختصر الوقایہ میں لکھا صاحبین کے نزدیک غیر عصبہ ولی نہیں اور یہی ایک روایت امام سے ہے۔ پھر مضمرات شرح قدوری سے نقل کیا علیہ الفتویٰ مگر محققین نے نہ مانا کہ خلاف متون ہے۔

"بحر الرائق ونہر الفائق" دونوں میں فرمایا:

"ما قیل من ان الفتویٰ علی الثالث غریب لمخالفۃ المتون الموضوعۃ لبیان الفتویٰ اھ۔"

علامہ شامی نے ردالمحتار میں اسے نقل کرکے مقرر رکھا کوئیں سے نجاست نکلے اور وقت وقوع نہ معلوم ہو تو ایک یا تین دن سے تنجس مانتے ہیں۔ اور صاحبین فی الحال صاحب محیط کہ ائمہ ترجیح سے ہیں دربارۂ وضو و غسل وعجین قول امام اور ان کے ماورا میں قول صاحبین اختیار کرتے اور وہ امام زیلعی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں اس تفصیل کو ھو الصحیح کہتے ہیں اور اسی پر بحر الرائق و منح الغفار و تنویر الابصار و در مختار میں جزم کیا۔ بایں ہمہ علامہ شامی اسے رد کرتے اور عدم تسلیم کی پہلی وجہ یہی لکھتی ہیں کہ مخالف لاطلاق المتون قاطبۃ حموی شرح اشباہ میں ایک مسئلہ کی نسبت جس میں روایت ابی یوسف کو حاوی قدسی میں علیہ الفتویٰ اور اشباہ میں الصحیح المعتمد کہا فرماتے ہیں:

"مجرد دعوی الحموی ان الفتویٰ علیہ لا یقتضی انہ المصحح المعتمد فی المذہب کیف و اصحاب المتون قاطبۃ و الشروح ماشون علی قولہما یعنی الطرفین و مشی اصحاب المتون تصحیح التزامی علی ان ما فی المتون و الشروح مقدم علی ما فی الفتاوی" یہی مذہب امام ہے اور علما فرماتے ہیں قول امام ہی پر اعتماد ضروری ہے اگرچہ صاحبین خلاف پر ہوں اگرچہ مشائخ کرام مذہب صاحبین کی تصحیح کریں۔ کما یاتی انفاً ان شاء اللہ تعالیٰ ہزارہا مسائل میں صاحبین کے خلاف کیا پھر شرق و غرب سے کتب فقہیہ جمع

کرکے دیکھئے قول صاحبین معدودی جگہ مفتی بہ ملے گا جہاں اختلاف زمانہ کے سبب تغیر حکم ہوا یا تعامل و دفع حرج کے مثل کوئی ایسی ہی ضرورت پیش آئی۔

علامہ طحطاوی پھر علامہ شامی حاشیۂ درمختار میں فرماتے ہیں:

"حصل المخالفة من الصاحبين فى نحو ثلث المذهب و لكن الاكثر فى الاعتماد على قوم الامام۔"

میں یہاں ائمہ محققین کی بعض عبارات پر اقتصار کرتا ہوں جن سے کالشمس ظاہر کہ سوائے مواضع معدودہ کے قول امام ہی پر اعتماد لازم اور اس کے خلاف کثرت رائے بلکہ فتوائے مشائخ پر بھی التفات نہیں کہ ایک آفتاب لاکھ ستاروں کو چھپالیتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں محیط امام سرخسی سے ہے:

"اذا اختلفوا فيما بينهم قال عبد الله بن المبارك يوخذ بقول ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ لانه كان من التابعين و زاحمهم فى الفتوىٰ

تنوير الابصار۔"

میں ہے:

"خذ بقول ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ على الاطلاق درمختار کا معيه و سراجيه۔" سے نقل کرنا گذرا ہوا الاصح اور یہ بھی کہ القاضی کالمفتی اور یہ بھی کہ نہر الفائق میں اسی کو اضبط کہا اسی کی کتاب ادب القال میں تصحیح کی کما فی الحاشیة الطحطاوی اسی پر امام محقق علی الاطلاق نے جزم فرمایا اور بعض مشائخ جو کہیں قول صاحبین پر افتاء کردیتے ہیں اسے بلاوجہ قوی محض نامقبول ٹھہرایا۔

حاشیہ شامیہ میں ہے:

"رد المحقق ابن الهمام على بعض المشائخ حيث افتوا بقول الامامين بانه لا يعدل عن قول امام الا لضعف دليله۔

بحر الرائق میں ہے:

"قد صححوا ان الافتاء بقول الامام فينتج من هذا انه يجب علينا الافتاء بقول الامام و ان افتى المشائخ بخلافه اه نقله العلامة الطحطاوى اول القضاء۔"

فتاویٰ خیریہ کی کتاب الشہادۃ:

"مسئلة شهادة الاعمىٰ میں ہے:" المقصد ايضاً عندنا انه لا يفتى و لا يعمل الا بقول الامام الاعظم و لا يعدل عنه الى قولهما او قول احدهما او غيرهما الا لضرورة (من ضعف دليل او تعامل بخلافه كمسئلة المزارعة ان صرح المشائخ بان الفتوىٰ على قولهما لانه صاحب المذهب و الامام المقدم) اذا قالت حذام فصدقوها فان القول ما قالت الحذام بعينه۔"

اسی طرح بحر الرائق کی کتاب الصلوۃ بحث اوقات میں تصریح فرمائی اسی سے ردالمحتار و حاشیہ طحطاویہ میں نقل کرکے مقرر رکھا:

"امام المحققين شيخ الاسلام برهان الدين صاحب هداية كتاب التجنيس و المزيد۔" میں فرماتے ہیں:

الواجب عندى ان يفتى بقول ابى حنيفة على كل حال۔

مسئلہ وقت عشاء میں جو قول صاحبین کو درر میں مفتی بہ بتایا علامہ نوح آفندی نے اس پر فرمایا:

"لا يجوز الاعتماد عليه لانه لا يرجح قولهما على قوله الا لموجب من ضعف دليل او ضرورة او تعامل او اختلاف زمان و لو لم يوجد شئ من ذلك فالعمل على قوله اه نقلهما العلامة الطحطاوى فى مبحث اوقات الصلوة۔

پھر یہ ضعیف دلیل جسے علمائے محقق عدول فرماتے ہیں اس کے معنی بھی سمجھ لیجئے

یہ وہ ہے کہ اعاظم ائمہ مجتہدین فتویٰ اس کے ضعف پر تنصیص کریں نہ وہ جسے من و تو اپنے اذہان قاصرہ سے ضعیف سمجھ لیں کہ اول تو یہ دلائل جو مصنفین لکھتے ہیں کیا معلوم کہ امام کی نظر انہیں پر تھی اور ہو بھی تو ہم کیا اور ہمارا تضعیف کیا۔

گدائے خاک نشینی تو حافظا مخروش　　　نظام مملکت خویش خسرواں دانند

علامہ طحطاوی فرماتے ہیں:

"انہ قد ظہر قوۃ لہ بحسب ادراکہ و یکون الواقع بخلافہ او بحسب دلیل و یکون لصاحب المذہب دلیل آخر لم یطلع علیہ انتہی وفیہ و قد قال فی شرح عقودہ اذا کان احدھما قول الامام الاعظم و الآخر قول بعض اصحابہ عند عدم الترجیح لاحدھما یقدم قول الامام فکذا بعدہ اھ۔ ای بعد ترجیح القولین جمیعاً فرجع حاصل القول الی ان قول الامام ھو المتبع الا ان یتفق المرجحون علی تصحیح خلافہ فان قلت الیس قد ذکر عشر مرجحات آخر و نفی التخییر مع کل منھا آکدیہ التصحیح کونہ فی المتون و الآخر فی الشروح او فی الشروح والآخر فی الفتاوٰی او عللوہ دون الاخر او کونہ استحسن و ظاہر الروایۃ آکد او انفع للوقف او قول اکثر او اوفق باھل الزمان او اوجہ زادھذین فی شروح عقودۃ قلت بلی ولاتنکر ھذا فقال ان الترجیح بھا من الترجیح بانہ قول الامام انما ذکر رحمہ اللہ تعالٰی ان التصحیح اذا اختلف و کان لاحدھما مرجح من ھذہ ترجح و لاتخییر ولم یذکر ما اذا کان لکل منھما مرجح منھا اقول و قد بقی من المرجحات کونہ احوط او ارفق او علیہ العمل وھذا یقتضی الکلام علی تفاضل ھذہ المرجحات فیما بینھا و کان لم یعلم بہ لصعوبۃ استقصائہ فلیس فی کلامہ مضادۃ لما ذکرنا و انا اقول الترجح بکونہ

مذھب الامام ارجح من الکل التصریحات القاھرۃ الظاھرۃ الباھرۃ المتواترۃ ان الفتوٰی بقول الامام مطلقاً و قد صرح الامام الاجل صاحب الھدایۃ بوجوبہ علی کل حال و ان بغیت التفصیل وجدت الترجیح بہ ارجح من جل ما ذکرھما یوجد معارضا لہ فقول القول لایکون الا ظاھر الروایۃ و محال ان تمشی المتون قاطبۃ علی خلاف قولہ و انما وضعت لنقل مذھبہ و کذا لن تجد ابداً ان المتون سکتت عن قولہ و الشروح اجمعت علی خلافہ ولم یلھج بہ الا الفتاوٰی و الانفعیۃ للوقف من المصالح الجلیلۃ المھمۃ وھی احدی الحوامل الست و کذا الاوفقیۃ لاھل الزمان و کونہ علیہ العمل و کذا الارفق اذا کان فی محل دفع الحرج و الاحوط اذا کان فی خلافہ و مفسدۃ و الاستحسان اذا کان لنحو ضرورۃ او تعامل اما اذا کان لدلیل فمختص باھل النظر و کذا کونہ اوجہ و اوضح دلیل لما اعترف بہ فی شرح عقودہ و قد اعلمناک ان المقلد لایترک قول امامہ لقول غیرہ ان غیرہ اقوٰی دلیلاً فی نظری فاین النظر من النظر و انما یتبع فی ذلک تارکاً تقلید امامہ من یسلم ان احد من مقلدیہ و مجتھدی مذھبہ ابصر بدلیل الصحیح منہ و ربما یکون قیاس یعارضہ استحسان یعارضہ استحسان آخر ادق منہ فکیف یترک القیاس القوی بالاستحسان الضعیف و ھذا ھو المرجوح فی کل قیاس قال بہ الامام وقیل لغیر کالمثل ضرورۃ وتعامل انہ استحسان ولنحو ھذا ربما قدم القیاس علی ھذا الاستحسان وقد نقل فی مسئلۃ فی الشرکۃ الفاسدۃ "ش" عن طہٰ عن الحموی عن المفتاح ان قول محمد ھو المختار للفتوٰی و عن غایۃ البیان ان قول ابی یوسف استحسان

فقال ش و عليه فهو من المسائل التى ترجح فيها القياس على
الاستحسان اه فافاد انما عليه الفتوى مقدم على الاستحسان و كذا
ضرورة على ما علل فالتعليل من امارات الترجيح ولفتوى اعظم
ترجيح صريح و كذا لاشك فى تقديمها على الاوجه و الارفق و الاحوط
كما نصوا عليه فلم يبق من المرجحات المذكورة الا آكدية
التصحيح و اكثرية القائمين ولذا اقتصرنا على ذكرهما فيما مضى و اى
اكثرية اكثر مما فى مسئلتى وقت العصر و العشاء حتى ادعوا على خلاف
قوله التعامل بل عمل عامة الصحابة فى العشاء و لم يمنع ذلك
لاسيما فى العصر عن التعويل على قول الامام و نقلتم عن البحر و
اقررتم انه لايعدل عن قول الامام الا لضرورة ان صرح المشائخ ان
الفتوى على قولهما كما هنا اه وناهيك جوابا عن آكدية لفظ التصحيح
و ايضاً قدمنا نصوص ش فى ذلك فى سرد المنقول عن كتاب النكاح و
كتاب الهبة وايضا اكثر فى رد المحتار من معارضة الفتوى بالمتون و
تقديم مافيها على ما عليه الفتوى و ما هو الا لان المتون وضعت
لنقل مذهب صاحب المذهب رضى الله تعالى عنه فمنها الاسناد فى
البئر الى يوم اوثلثة فى حق الوضوء و الغسل و الاقتصار فى حق غيرهما
افتى به الصباغى وصححه فى المحيط و التبيين و اقره فى البحر و المنح و
اعتمده فى التنوير و الدر فقلتم مخالف لاطلاق المتون قاطبة (الى
قولكم) فلايقول عليه و ان اقره فى البحر و المنح و منها وقف صدقة
على رجل بعينه عاد بعد موته لورثه الواقف قال فى الاجناس ثم فتح
القدير به يعنى فقلتم انه خلاف المعتمد لمخالفته لما نص عليه
محققوا المشائخ و لما فى المتون من انه بعد موت الموقوف عليه يعود

للفقراء ومنها ما اختار الامامان الجليلان الطحاوى و الكرخى من
الفئ طلاق السكران و فى التفريد ثم تاتارخانيه ثم الدر الفتوى
عليه فقلتم مثل ح قد علمت مخالفته لسائر المتون و منها قال محمد
اذا لم يكن عصبة فولاية النكاح للحاكم دون الام فى المضمرات
عليه الفتوى فقلتم كالبحر و النهر غريب لمخالفته المتون الموضوعة
لبيان الفتوى ومنها قال محمد لاتعتبر الكفائة ديانة و فى الفتح عن
المحيط عليه الفتوى و صححه فى المبسوط فقلتم كالبحر تصحيح
الهداية معارض له فالافتاء بما فى المتون اولا و منها قال لها اختارى
اختارى اختارى فقالت اخترت الاولى او الوسطى او الاخيرة طلقت
ثلاثا عنده و واحدة بائنة عندهما و اختار الطحاوى و قال فى الدر و
اقره الشيخ على المقدسى و فى الحاوى القدسى و به نأخذ فقد افاد ان
قولهما هو المفتى به كذا بخط الشرف الغزى فقلت قول الامام مشى
عليه المتون و اخر دليله فى الهداية فكان هو المعتمد و منها طلب
القسمة من لاينتفع بها لقلة حصته قال شيخ الامام خواهر زاده
يجاب قال فى الخانية عليه الفتوى فقال فى الدر لكن المتون على
الاول فعليه المعول و اقررتموه انتم و ط مع قولكم مرارا منها فى
هبة در المختار ركن على ذكرهما قالوا لايعدل عن تصحيح قاضى خان
فانه فقيه النفس اه.

فقد ظهر والله الحمد الترجيح يكون القول قول الامام لايوازيه
شئ واذا اختلف الترجيح و كان احدهما قول الامام فعليه التعويل و
كذا اذا لم يكن ترجيح فكيف اذا اتفقوا على ترجيحه فلم يبق الا
ما اتفقوا فيه على ترجيح غيره فاذا حمل كلامه على ما وصفنا فلاشك

فی صحته انتهی کلام الامام رد المحتار ج۱، ص ۳۶۲ (قوله لاتسن) مقتضی کلام المتن ان یقال لایسمی لکنه عدل عنه لایهامه الکراهة بخلاف نفی السنیة ثم ان هذا قولهما و صححه فی البدائع و قال محمد تسن ان خافت لا ان جهر بحر و نسب ابن الضیاء فی شرح الغزنویة الاول الی ابی یوسف فقط فقال وهذا قول ابی یوسف وذکر فی المصفی ان الفتوٰی علی قول ابی یوسف انه یسمی فی اول کل رکعة ولیخفیها و ذکر فی المحیط المختار قول محمد وهو ان یسمی قبل الفاتحة و قبل کل سورة فی کل رکعة وفی روایة حسن بن زیاد انه یسمی فی رکعة الاولی لاغیر و انما اختیر قول ابی یوسف لان لفظة الفتوی آکد و ابلغ من لفظة المختار ولان قول ابی یوسف وسط وخیر الامور اوسطها کذا فی شرح عمدة المصلی اھ" اسی میں ہے: "(قوله و لایکره اتفاقا و لهذا صرح فی الذخیرة و المجتبی بأنه ان سمی بین الفاتحة و السورة المقروة سرا او جهرا کان حسنا عند ابی حنیفة و رجحه المحقق ابن الهمام و تلمیذه الحلبی لشبهة الاختلاف فی کونها آیة من کل سورة بحر" اسی میں ہے: "قوله و ما صححه الزاهدی من وجوبها) یعنی فی او الفاتحة و قد صححه الزیلعی ایضاً فی سجود السهو و نقل فی الکفایة عبارة الزاهدی و اقرها وقال فی شرح المنیة انه الاحوط لان الاحادیث الصحیحة تدل علی مواظبته علیه الصلوٰة و السلام علیها و جعله فی الوهبانیة قول الاکثرین ای بناء علی قول الحلوانی ان اکثر المشائخ علی انها من الفاتحة فاذا کانت منها تجب مثلها لکن لم یسلم کونه قول الاکثر (قوله ضعفه فی البحر) حیث قال فی سجود السهو ان هذا کله مخالف لظاهر المذهب المذکور فی المتون و الشروح و الفتاوٰی من انها سنة

لا واجب فلا یجب بترکها شئ"

بالا تصریحات سے روز روشن کی طرح روشن کہ قول امام مذہب امام اعظم امام الائمہ سراج الامۃ کاشف الغمہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ و تقدس عنہ و ارضاہ عنا کو سارے اقوال پر تقدیم وترجیح ہے۔ اس کے مقابل و معارض خواہ تصحیحات و ترجیحات کے الفاظ مؤکدات الاوفق یا الارفق یا الاوجه یا الاحوط یا الاصح یا الاظهر یا الاشبه یا الوجیه یا الاحتیاط یا الصحیح یا المختار یا به جری العرف وهو المتعارف وبه اخذ علمائنا یا وهو الصحیح وعلیه عمل الامة و علیه عمل الیوم و علیه الاعتماد و به ناخذ و به یفتی و علیه الفتوٰی وغیرها کلمات مرجحات۔" آئیں اسی طرح ظاہر الروایہ کو ساری روایتوں پر تقدیم و ترجیح حاصل ہے تو صورت مسئولہ میں ہم پر یہی لازم کہ اپنے مذہب کے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاہ عنا کے قول کو لیں اور اسی پر عمل و اعتماد کریں کہ بلا شک و شبہ آپ کا ہی قول معتمد و مرجح و محقق و منقح ہے اور اسی پر تعامل و توارث اور اسی پر متون اور یہی مفتی بہ اور اسی پر فتوٰی اور یہی ظاہر الروایہ ہے تو ہم حنفیوں کو اسی پر عمل چاہئے۔ دیگر ائمہ کرام و مشائخ عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے اختیار و مختار کی طرف التفات نہ چاہئے۔

ردالمحتار ج ۱ ص ۵۰ پر ہے:

"انا التزمنا تقلید مذهبه دون مذهب غیره و لذا نقول ان مذهبنا حنفی لا یوسفی ونحوه اھ. واللہ تعالیٰ اعلم وهو الهادی.

یہ بات صرف مرأت میں ہی نہیں بلکہ قدوری میں بھی ہے اور ہدایہ میں بھی کفایہ میں اور عنایہ میں بھی۔ قدوری کی عبارت یہ ہے:

"فان تقدموا جاز"

یہی عبارت ہدایہ میں پیش کر کے دلیل دی: "لقوله علیه السلام صلوا

خلف کل بر و فاجر"

اس کے تحت کفایہ میں ہے:

"و قال مالك رحمه الله لاتجوز الصلوٰة خلف الفاسق لانه لما ظهرت منه الخيانة فى الامور الدينية فلا يؤتمن فى اهم الامور ولكنا نقول ان عبد الله بن عمر و انس ابن مالك و غيرهما من الصحابة رضى الله عنهم و كذلك التابعون كانوا يصلون خلف الحجاج صلاة الجمعة وغيرها مع انه كان افسق اهل زمانه حتى قال الحسن فى رواية مبسوط شرح الاسلام رحمه الله قال عمر ابن عبد العزيز لو جائت كل امة بخبيثاتها وجئنا بابى محمد لغلبناهم يعنى الحجاج."

اور عنایہ کی عبارت یہ ہے:

"و ان تقدموا صلوا جازت الصلوٰة لقوله صلى الله عليه وسلم صلوا خلف كل بر و فاجر اه"

اور بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۵۶ پر ہے:

"تجوز امامة العبد و الاعرابى و الاعمىٰ و ولد الزنا و الفاسق و هذا قول العامة و قال مالك لا تجوز الصلوٰة خلف الفاسق و وجه قوله ان الامامة من باب الامانة و الفاسق خائن و لهذا لا شهادة له لكون الشهادة من باب الامانة و لنا ما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال صلوا خلف من قال لا اله الا الله و قوله صلى الله عليه وسلم صلوا خلف كل بر و فاجر و الحديث و الله اعلم و ان ورد فى الجمع و الاعياد و لتعلقهما بالامراء و اكثرهم فساق لكنه بظاهره حجة فيما نحن فيه اذا العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب و كذا الصحابة رضى الله عنهم كابن عمر وغيره و التابعون اقتدوا بالحجاج فى صلاة

الجمعة و غيرها مع انه افسق اهل زمانه حتى كان عمر بن عبد العزيز يقول لو جائت كل امة بخبيثها و جئنا بابى محمد لغلبناهم و ابو محمد كنية الحجاج."

اور ردالمحتار ج ۱ ص ۴۱۴ پر ہے:

"فى البرجندى اسمعيل و فى المعراج قال اصحابنا لا ينبغى ان يقتدى بالفاسق الا فى الجمعة لانه فى غيرها يجد اماما غيره اه. قال فى الفتح و عليه فيكره فى الجمعة اذا تعددت اقامتها فى المصر على قول محمد المفتى به لانه بسبيل الى التحول"

حدیث شریف:

"فاذا احسن الناس فاحسن معهم" کے تحت اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۵۰۱ پر ہے:

درین دلیل است بر گزاردن نماز خلف ہر بر و فاجر چنانکہ مذہب اہل سنت و جماعت است۔

اور ملتقی الابحر ص ۱۸ میں ہے:

"و تكره امامة العبد و الاعرابى و الاعمىٰ و الفاسق و المبتدع و ولد الزنا فان تقدموا جاز اه."

اور درالمنتقی فی شرح الملتقی ج ۱ ص ۱۰۸ پر ہے:

"فان تقدموا جاز لقوله عليه الصلوٰة و السلام صلوا خلف كل بر و فاجر"

اور اس کی شرح مجمع الانہر میں ہے اس کی عبارت کو برقرار رکھ کر مذکور حدیث شریف دلیل میں پیش فرمائی ہے اور مزید فرمایا:

"و الفاسق اذا تعذر منعه تصلى الجمعة خلفه و فى غيرها ينتقل

الی مسجد آخر و کان ابن عمر و انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما یصلیان الجمعۃ خلف الحجاج مع انہ کان افسق اہل زمانہ کما فی التبیین۔"

فقہائے کرام علیہم الرحمۃ و الرضوان کے ان کلمات مذکورہ سے وہی واضح اور وہی ثابت جو مرآت میں ہے مگر اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو خود عبارتوں سے مفہوم ہوتا ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز پڑھ لینے کی اجازت فقہاء نے اس وقت دی ہے جس وقت ظالم و جابر فاسق و فاجر حکام کا غلبۂ تام رہا ہو فاسق خود ہی بزور و زبردستی اگر امور دینیہ کا انتظام و انصرام اپنے ہاتھوں میں رکھتا رہا ہو خود ہی مسجد و عید گاہ کا امام بن جاتا رہا ہو اور اس کے دفع پر قدرت نہ ہو تو اس کے ظلم و ستم سے بچنے کے لئے ارشا فرمایا: "فان تقدموا جاز" یعنی خود ہی زبردستی امام بن جائے اور فتنے میں پڑنے کا ظن غالب ہو تو جائز ہے کہ اس کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے۔ آج بھی جمعہ کے بارے میں یہی فتویٰ ہے ہاں اگر دوسری جگہ جمعہ قائم ہو اور وہاں کا امام غیر فاسق ہو تو وہیں منتقل ہو جائے اور فاسق کے پیچھے نہ پڑھے اس سے بھی یہی مفہوم ہوتا کہ فاسق کے پیچھے نماز پڑھنے کی جن فقہاء نے اجازت دی وہ معذوری اور مجبوری کا وقت ہے کہ الگ نہ جماعت قائم کر سکتے نہ تنہا پڑھنے کی چھوٹ ہو اور گھر میں پڑھنے پر بھی خطرہ ہو:

"و عن قبیصۃ ابن وقاص قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون علیکم امراء من بعدی یؤخرون الصلوۃ فہی لکم وہی علیہم فصلوا معہم ما صلوا القبلۃ رواہ ابوداؤد عن عبید اللہ بن عدی بن الخیار انہ دخل علی عثمان وہو محصور فقال انک امام عامۃ و نزل بک ماتری ویصلی لنا امام فتنۃ ونتخرج فقال الصلوۃ احسن ما یعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معہم و اذا اساؤا فاجتنب اساءتہم رواہ البخاری و عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال صلوا خلف من قال لا الہ الا اللہ و قولہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوا

خلف کل بر و فاجر۔"

ان احادیث کریمہ کے ظاہر سے بھی فاسق کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہم ان کے ساتھ پڑھنے پر مجبور ہوں لاچار ہوں ورنہ کیا ضرورت کہ شرابی جوئے باز، بدکار، حرام کار، سود خور، سنیما باز، فساق و فجار کے پیچھے معاذ اللہ رب العلمین نماز پڑھی جائے۔ کیا ایسے ناپاک کی اقتداء کوئی پاک دل بخوشی قبول کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں فقہ کا قاعدہ الضرورات تبیح المحظورات ہے تو وقت ضرورت ہی اس پر عمل ہوگا اور اسی ضرورت کے تحت بعض فقہاء نے اجازت دی ورنہ عام فقہائے کرام علیہم الرحمۃ و الرضوان نے اس کی تقدیم کو بالاتفاق مکروہ فرمایا ہے۔ اور اس کی دو وجہ بیان فرمائی فاسق کی اقامت اس کی تعظیم ہے اور فاسق کی تعظیم کیسی بلکہ اس کی اہانت واجب۔ دوسری وجہ فاسق کو دین کی پرواہ نہیں ہوتی تو وہ حالت نماز میں بھی وہ نماز کے منافی امر کا ارتکاب قصداً بھی کر سکتا ہے۔

ردالمحتار ج ۱ ص ۴۱۴ میں ہے:

"و اما الفاسق فقد عللوا کراہۃ تقدیمہ بانہ لایہتم لامر دینہ و بان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ و قد وجب علیہم اہانتہ شرعاً ولا یخفی انہ اذا کان اعلم من غیرہ لاتزول العلۃ فانہ لایؤمن ان یصلی بہم بغیر طہارتہ فہو کالمبتدع تکرہ امامتہ بکل حال بل مشی فی شرح المنیۃ علی ان کراہۃ تقدیمہ کراہۃ تحریم لما ذکرنا قال ولذا لم تجز الصلوۃ خلفہ اصلاً عند مالک و روایۃ عن احمد فلذا حاول الشارح فی عبارۃ المصنف و حمل الاستثناء علی غیر الفاسق و اللہ اعلم۔"

اور بدائع ج ۱ ص ۱۵۷ پر ہے:

"ولان الامامۃ امانۃ عظیمۃ فلا یتحملہا الفساق لانہ لایودی

الامامۃ علی وجھہا۔"

اور فتاویٰ مصطفویہ ج ۲ ص ۴۵ میں ہے:

"لہٰذا ہمارے نزدیک مختار یہی قول تحریم ہے۔ امام فخر الدین زیلعی تبیین الحقائق میں فرماتے ہیں: "کرہ امامۃ الفاسق لانہ لایہتم لامر دینہ ولان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیہم اہانتہ شرعاً۔

غنیۃ المستملی میں علامہ ابراہیم حلبی فرماتے ہیں:

"لو قدموا فاسقا یاثمون بناءً علی انہ کراہۃ تقدیمہ کراہۃ تحریم لعدم اعتنائہ بامور دینیۃ وتساہلہ بلوازمہ فلا یبعد منہ الاخلال ببعض شروط الصلوٰۃ) وفعل ماینافیہا بل ہو الغالب بالنظر الی فسقہ ولذا لم تجز الصلوٰۃ خلفہ اصلاً عند مالک وروایۃ عن احمد الا انا جوزنا مع الکراہۃ لقولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم صلوا خلف کل بر وفاجر۔"

اسی میں ہے:

"قال اصحابنا لاینبغی ان یقتدی بہ الا فی الجمعۃ للضرورۃ فیہا بخلاف سائر الصلوات للتمکن من التحول الی مسجد آخر فیما سوی الجمعۃ وعلیہ یحمل عمل الصحابۃ والتابعین فی الاقتداء بالحجاج وعلی ہذا فینبغی ان تکرہ الجمعۃ ایضا اذا تعددت الجوامع کما فی زماننا۔" حسن عجیمی علی الدرر میں ہے: "قولہ وفاسق یکرہ تقدیم الفاسق کراہۃ تحریم وعند مالک لایجوز تقدیمہ وہو روایۃ عن احمد شرح کنز۔"

ملا مسکین میں ہے:

"کرہ امامۃ الفاسق وقال مالک لاتجوز الصلوٰۃ خلفہ و

المبتدع۔"

حاشیہ علامۃ الوجود ابو مسعود میں ہے:

"اما الفاسق فلانہ لایہتم بامر دینہ وما فی المعراج من قولہ الا فی الجمعۃ ان تعذر منعہ۔"

طحطاوی علی الدرر میں ہے:

"اما الفاسق الا علم فلایقدم لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیہم اہانتہ شرعاً ومفاد ہذا کراہۃ تحریم فی تقدیمہ۔"

فتاویٰ خلاصہ میں ہے:

"ویکرہ الاقتداء بمن کان معروفا باکل الربوا والفاسق اذا کان یوم الجمعۃ وعجز القوم عن منعہ قال بعضہم یقتدی بہ فی الجمعۃ ولایترک الجمعہ بامامتہ وفی غیر الجمعۃ ہم بسبیل من ان یتحولوا الی المسجد الآخر ویاثموا بذلک ولو صلی خلف مبتدع او فاسق فہو محرز ثواب الجمعۃ لکن لاینال ماینال خلف تقی"

بزازیہ میں فرمایا:

"ام الفاسق یوم الجمعۃ ولم یمکن منعہ قال بعضہم یقتدی بہ ولایترک الجمعۃ بامامتہ۔"

خانیہ میں فرمایا:

"الفاسق اذا کان یأم وعجز القوم عن منعہ تکلم الناس فیہ قال بعضہم فی صلاۃ الجمعۃ یقتدی بہ ولایترک الجمعۃ بامامتہ لان فی الجمعۃ لایوجد غیرہ۔"

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

"ان تعذر منعہ یصلی الجمعۃ خلفہ وفی غیرہا ینتقل الی مسجد

آخر شرح عقائد"

نسفی میں ہے:

"لا کلام فی کراھة الصلاة خلف الفاسق و المبتدع الخ"

طوالع الانوار میں ہے:

"اما الفاسق الاعلم فلایکون الافضل لان فی تقدیمه تعظیمه وقد وجب علینا اھانته شرعاً والصلوٰة خلفه مکروھة تحریماً۔"

ان عبارات سے واضح کہ فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور پڑھنے والا گنہگار ہاں جمعہ پڑھ لے اگر منع پر قدرت نہیں اور اس کے علاوہ کوئی اور مسجد نہیں۔ بعض کراہت تنزیہ کے بھی قائل ہیں۔

اسی میں ہے بحر میں فرمایا:

"و یکرہ الاقتداء بھم کراھة تنزیھة ان وجد غیرھم و الا فلا کراھة۔

ملک العلما بحر العلوم قدس سرہ رسائل الارکان میں فرماتے ہیں:

"ثم الکراھة اذا وجد امام تقی و تقدم علیه الفاسق و اما اذا لم یجد فلا کراھة و ان صلی خلف الفاسق او المبتدع جاز و یحرز ثواب الجماعة لکن لا یحرز ثواب المصلی خلف التقی و یکرہ امامة المبتدع فیجوز خلفھم الصلوٰة لکن یکرہ کراھة شدیدة مختصراً ملخصاً۔"

اور فتاویٰ رضویہ ج ۳،ص ۲۶۰ میں ہے:

فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ تحریم کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔ فتاویٰ الحجہ و غنیہ میں ہے: "لو قدموا فاسقاً یاثمون۔"

اسی میں ج ۳،ص ۲۷۳ پر ہے:

امامت فاسق کی نسبت علماء کے دونوں قول ہی کراہت تنزیہ میں ہے: "کما فی الدرر وغیرہ اور کراہت تحریمی کما فی الغنیة و فتاویٰ الحجة و التبیین و الشرنبلالیة وابی السعود والطحطاوی علی مراقی الفلاح وغیرھا۔" اور ان میں توفیق یہ ہے کہ فاسق غیر معلن کے پیچھے مکروہ تنزیہ اور معلن کے پیچھے تحریمی جن صورتوں میں کراہت تحریم کا حکم ہے صلحا و فساق سب پر اعادہ واجب ہے۔ جب مبتدع یا فاسق معلن کے سوا کوئی امام نہ مل سکے تو منفرداً پڑھیں کہ جماعت واجب ہے۔ اور اس کی تقدیم ممنوع کراہت تحریم اور واجب و مکروہ تحریم دونوں ایک مرتبہ میں ہیں۔ "رد المفاسد اھم من جلب المصالح" ہاں اگر جمعہ میں دوسرا امام نہ مل سکے تو جمعہ پڑھیں کہ وہ فرض ہے اور فرض اہم اسی طرح اگر اس کے پیچھے نہ پڑھنے میں فتنہ ہو تو پڑھیں اور اعادہ کریں کہ: "الفتنة اکبر من القتل و اللہ تعالیٰ اعلم ملخصاً"

اسی میں ص ۲۹۲ پر فرماتے ہیں:

ظاہر ہے کہ امام سردار ہوتا ہے اور مقتدی اس کے پیرو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "انما جعل الامام یؤتم به امام" امام تو اسی لئے مقرر ہوتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ رواہ الائمہ احمد والبخاری ومسلم وغیرھم عن ام المؤمنین الصدیقه و عن انس بن مالک رضی اللہ عنھما اور حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتز لذلک العرش۔ جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب تبارک و تعالیٰ غضب فرماتا ہے اور اس کے سبب عرش الٰہی ہل جاتا ہے۔ رواہ الامام ابوبکر بن ابی الدنیا فی ذم الغیبة عن انس خادم رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم و ابن عدی فی الکامل عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنھما۔"

پھر اسی میں ہے:

سبحان اللہ جب فاسق و بدعتی کی زبانی تعریف اور انہیں صرف محل خطاب میں بلفظ سردار ندا کرنا موجب غضب الٰہی ہوتا ہے تو اسے بحالت اختیار حقیقتاً امام و سردار بنانا اور آپ اس کے تابع و پیرو بننا معاذ اللہ کیونکر موجب غضب نہ ہوگا اور بیشک جو بات باعث غضب رحمان عزوجل ہو اس کا ادنیٰ درجہ کراہت تحریم ہے۔

پھر اسی میں فرماتے ہیں:

علامہ ابراہیم حلبی نے تصریح فرمائی کہ فاسق و مبتدع دونوں کی امامت مکروہ تحریمی ہے اور امام مالک کے مذہب اور امام احمد کی ایک روایت میں تو اس کے پیچھے نماز اصلاً ہوتی ہی نہیں جیسے کسی کافر کے پیچھے۔ شرح صغیرہ منیہ میں فرمایا: "یکرہ تقدیم الفاسق کراھۃ تحریمۃ وعند مالک لایجوز تقدیمہ وھو روایۃ عن احمد و کذا المبتدع۔"

علامہ طحطاوی حاشیہ درمختار میں فاسق و بدمذہب کے پیچھے نماز کے باب میں فرماتے ہیں:

"الکراھۃ فیہ تحریمۃ علی ماسبق"

اسی میں ج ۳، ص ۱۲ ۳ پر ہے:

امام بخاری تاریخ میں اور ابن عساکر ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں: "ان سرکم ان تقبل صلاتکم فیؤمکم خیارکم" اگر تمہیں اپنی نماز کا قبول ہونا خوش آتا ہو تو چاہئے کہ تمہارے نیک تمہاری امامت کریں حاکم مستدرک اور طبرانی معجم میں مرشد ابن ابی مرشد غنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "ان سرکم ان تقبل صلاتکم فیؤمکن خیارکم فانہم وفدکم فیما بینکم و بین ربکم۔" اگر تمہیں پسند آتا ہو کہ تمہاری نماز قبول ہو تو چاہئے جو تم

میں اچھے ہوں وہ تمہارے امام ہوں کہ وہ تمہارے سفیر ہیں تم میں اور تمہارے رب کے درمیان۔ دارقطنی و بیہقی اپنی سنن میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اجعلوا ائمتکم خیارکم فانہم وفدکم فیما بینکم و بین ربکم۔" اپنے نیکوں کو اپنا امام کرو کہ وہ تمہارے وسائط ہیں درمیان تمہارے اور تمہارے رب عزوجل کے انتہی۔

بالا توضیحات و تشریحات سے آفتاب نیم روز کی طرح روشن و منور ہو گیا کہ مرأت کی وہ اپنی بات نہیں بلکہ بعض فقہاء نے وقت ضرورت اس بات کا حکم دیا ہے جو مرأت میں منقول ہے اور بعض احادیث کریمہ سے بھی ضرورتاً اس پر عمل کرنے کا حکم مستفاد ہوتا ہے۔ اسی کو مرأت میں نقل کیا ہے۔ فلہٰذا کہا جائے گا کہ نقل صحیح ہے اور عمل مطلقاً ان ارشادات پر ہوگا جو فتاویٰ شامی اور فتاویٰ رضویہ وغیرہما سے معلوم ہوئے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

ماہ رمضان المبارک کے بعد روزہ کے لئے سب دنوں سے افضل عشرۂ ذی الحجہ ہے ان کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں اور ہر شب کا قیام شب قدر کے برابر ہے خصوصاً روز عرفہ کہ افضل ایام سال ہے اس کا روزہ صحیح حدیث سے ہزاروں روزوں کے برابر اور دو سال کامل کے گناہوں کی معافی ایک سال گذشتہ اور ایک سال آئندہ پھر سب دنوں سے افضل روزۂ عاشورہ یعنی دہم محرم کا روزہ ہے اس میں ایک سال گذشتہ کے گناہوں کی مغفرت ہے۔ فتاویٰ رضویہ چہارم اسی میں ہے کہ رمضان کے بعد سب سے افضل شعبان کے روزے ہیں تعظیم رمضان کے لئے رواہ الترمذی واستغربہ والبیہقی فی شعب وفیہ صدقۃ بن موسی۔

اور اشعۃ اللمعات ج ۲، ص ۹۹ پر ہے:

"و گفتہ اند افضلیت روز عاشورا مبنی بر فہم ابن عباس است کہ وی از حال و مقال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایں چنیں فہمیدہ و دریافتہ والا روزہ عرفہ افضل از

یوم عاشوراست بلکہ از سائر ایام غیر جمعہ کہ در افضلیت روز عرفہ و جمعہ از یک دیگر اختلاف است و بہ تحقیق وارد شدہ است کہ صوم عاشورا برابر صوم یک سال و صوم عرفہ ہمچو دو سال است۔'' اسی میں ہے: ''در صحیح بخاری آمدہ کہ نیست ہیچ ایام فاضل تر از عشرۂ ذی الحجہ و آنحضرت نیز دراں روزہ داشتہ''

اور ج ۲، ص ۱۰۱ پر فرماتے ہیں:

''گفتہ اند مزیت و فضیلت صوم عرفہ را بر صوم عاشورا بجہت آنست کہ صوم یوم عرفہ از شریعت محمد است صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و صوم عاشورا از شریعت موسیٰ علیہ السلام ست انتہی''

ترمذی شریف کے حاشیہ پر ہے:

"فی صحیح البخاری انه قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما من ایام العمل الصالح فیها افضل من هذه الایام و صحیح ابی عوانه و صحیح ابن حبان عن جابر رضی الله عنه ما من ایام افضل من عشر ذی الحجة و لو نذر احد صیام افضل ایام السنة انصرف الی هذه الایام و ان نذر صوم یوم افضل من سائر الایام فالی یوم عرفة و ان نذر صوم یوم افضل من الاسبوع فالی یوم الجمعة و المختار ان ایام هذه العشرة افضل لما فیها من یوم عرفة و لیالی عشرة رمضان لما فیها من لیلة القدر هذا هو القول الفصل انتهی کلام الشیخ.

و فی رد المحتار علی ج ۱، ص ۱۲۵:

فی الحلیة بان الظاهر انه للوقوف قال و ما اظن ان احدا ذهب الی استنانه لیوم عرفة بلا حضور عرفات اه.

اقره فی البحر و النهر لکن قال المقدسی فی شرحه علی نظم الکنز اقول لا یستبعد ان یقول احمد بسنیته للیوم لفضیلة حتی لو حلف

بطلاق امرأته فی افضل ایام العام تطلق یوم عرفة ذکره ابن مالک فی شرح المشارق و قد وقع السوال عن ذلک فی هذه الایام و دار بین الاقوام و کتب بعضهم بافضلیة یوم الجمعة و النقل بخلافه اه."

بالا بیان سے روز روشن کی طرح عیاں ہوا کہ ماہ مبارک رمضان شریف کے بعد سب دنوں سے افضل یوم عرفہ کا روزہ ہے۔ اور ماہ مبارک شعبان المعظم کا روزہ اگر افضل صیام بعد شہر رمضان ہے جیسا کہ بیان میں آیا تو بنسبت تعظیم ماہ رمضان المبارک ہے کہ اسی اعتبار سے اس کی افضلیت ہے ورنہ مطلقاً افضلیت یوم عرفہ اور صوم عرفہ ہی کو حاصل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

"اللهم انا نسئلك العفو و العافیة فی الدین و الدنیا و الآخرة و الاخلاص فی القول و العمل و حسن الخاتمة یا ذا الجلال و الاکرام بیدك الخیر انك علی كل شئ قدیر و صلی الله علی سیدنا و مولینا و غوثنا و غیاثنا و عوننا و معیننا و وسیلتنا فی الدارین و علی اٰله و صحبه و سلم كثیراً كثیراً۔ ۳۰/۴/۱۴۱۴ھ

الجواب بعون الملك الوهاب: بلا شک و شبہ قبرستان کی گھاس اور لکڑی مسجد میں صرف کرنا درست ہے۔ کما فی الفتاوی الرضویہ ج ۶، ص ۴۹۳ و ج ۶، ص ۴۹۲۔ مگر جب تک سبز ہو نہ کاٹا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۱۳/۵/۱۴۱۵ھ

کتاب الجنائز

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ عیدگاہ میں نمازجنازہ کی ادائیگی درست ہے یانہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں!

المستفتی: مولانا محمد ذاکر حسین

امام مسجد جامع ،باسوپٹی ،مدھونبی (بہار)

الجواب بعون الملک الوھاب: صحیح ہے درست ہے طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۱۹۴ پر ہے: "لاتکرہ فی مسجد اعدلھا وکذا فی مدرسۃ ومصلی عید اھ۔" واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۱۸/۵/۱۴۱۶ھ

قبلہ کونین وکعبہ دارین دامت برکاتہم بعد تسلیمات فدویانہ تمنائے حصول سعادت آستانہ بوس

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کم پڑھا لکھا ایک میاں جی ہے قرآن صحیح طور پر پڑھنا نہیں جانتا اس کا تلفظ صحیح نہیں ہے نماز کے پورے مسائل سے واقفیت بھی نہیں ہے اور وہ امامت بھی کرتا ہے ایک روز نماز پڑھارہا تھا پیچھے سے ایک مولانا صاحب جماعت میں شریک ہوگئے بعد نماز مولانا نے کہا نماز نہ ہوئی کیونکہ قرآت صحیح نہیں ہے اس میاں جی نے بجائے مان لینے کے مولانا سے یہ کہا آپ خود حرامی ہیں آپ کے پیچھے بھی نماز نہ ہوگی لوگوں نے دریافت کیا کہ بات کیا ہے میاں جی نے کہا مولانا کی ماں بے طلاق تھی لوگوں نے پوچھا میاں جی آپ کی عمر صرف بیس برس کی ہے اور مولانا کی عمر چالیس برس کی ہے پھر

آپ نے کیسے جانا ان کی ماں کے بارے میں بے طلاق تھی؟ میاں جی خاموش رہا اگر وہ جھوٹ کہتا ہے تو میاں جی کے اوپر شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور اگر مانا کہ مولانا کی ماں بے طلاق تھی اور وہ عالم دین ہیں نماز کے پورے مسائل سے واقف ہیں قرآت بھی صحیح ہے لوگ مولانا کو امام بنانا چاہتے ہیں۔ ایا ایسی صورت میں مولانا کے پیچھے نماز ہوگی یانہیں؟ اور میاں جی کے پیچھے مولانا کی نماز و دیگر صاحب علم کی نماز ہوگی یانہیں مفصل جواب مع دستخط ومہر کے عنایت فرمائیں۔ عین کرم ہوگا!

المستفتی: قدم بوس احقر بندہ محمد تسلیم الدین مظہر القادری

امام مسجد مہدیا مہوتری (نیپال)

۶۸/۷/۹۲

الجواب بعون الملک الوھاب: امام کا صحیح العقیدہ، صحیح القرأت، صحیح العمل ہونا ضروری ہے حاضرین میں ولد زنا ہی مسائل طہارت وصلوۃ کا زیادہ عالم و عامل ہے تو امام بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہی قابل امامت ہے تو اس کا امام بنانا واجب ہے ہاں اگر حاضرین میں ولد زنا سے کوئی دوسرا اچھا ہے اور صحت عقیدہ کے ساتھ ساتھ صحیح القرأت بھی ہے تو ولد زنا کا امام بنانا مکروہ ہے۔

فتاویٰ عالمگیری ج ا ص ۴۴ میں ہے:

"و تجوز امامۃ الاعرابی الی ان قال ولد الزنا و الفاسق کذا فی الخلاصۃ الا انھا تکرہ ھکذا فی المتون۔"

اور فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۲۲۲ میں ہے:

"اگر اہل جماعت اس سے نفرت کریں اور اس کے باعث جماعت کی تقلیل ہو تو امام نہ کیا جائے اگرچہ وہ خود بے قصور ہے۔ اگر وہ شخص واقعی جاہل اور مسائل نماز سے ناواقف اور قرآن عظیم صحیح نہیں پڑھ پاتا ہے تو اس کی امامت حرام اس کے پیچھے کسی کی نماز نہیں۔ فتاویٰ رضویہ وغیرہ اگر وہ شخص ایسا نہیں ہو جیسا زید نے کہا تو اس پر

شرعاً تعزیر ہے اور اگر واقع میں وہ عیب اس میں پایا جاتا ہے تو تعزیر نہیں۔ بہار شریعت حصہ نہم۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں ڈاکٹری کا پیشہ کرنے والے شخص جو گھر گھر جاکر مسلم غیر مسلم محرم نامحرم عورتوں مردوں کا علاج کرتے ہیں انجکشن لگاتے ہیں ضرورت پڑنے پر اپنے ہاتھ سے پاخانہ، پیشاب کرواتے ہیں یہاں تک کہ زچگی کے وقت ضرورت پڑنے پر اپنے ہاتھوں سے بچہ نکالتے ہیں یہ فعل مجبوری کے تحت ہی کرتے ہیں اپنے پیشے کے متعلق ہر اچھے برے کام کا انجام دیتے ہیں۔

کیا ایسے گندے گندے کام دوسری عورتوں کے ساتھ کرنے والے مولوی شخص کے پیچھے نماز جمعہ عیدین پڑھنا درست ہے؟ ایسے فعل کرنے والے مولوی کا امامت کرنا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب ارشاد فرمائیں۔ عین نوازش وکرم ہوگا!

مسلمانان ملک، ٹولہ نہر نیاں

نیاز احمد صدیقی، منصف نداف

الجواب بعون الملک الوھاب: عورتوں کو عورتوں سے علاج چاہئے اور مردوں کو ایسے طریق علاج سے پرہیز۔ امامت کا منصب بہت اونچا ہے ایسا شخص متہم ہے۔ قابل امامت نہیں۔ کوئی دوسرا لائق امامت، امامت کرے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔**

۵/۱۰/۱۴۲۳ھ

باب القراءۃ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ قاری یعنی مجود کی نماز غیر قاری یعنی غیر مجود کے پیچھے کیا ہوگی؟ چاہے وہ امام حافظ یا مولوی ہی کیوں نہ ہو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی تاکید ہے لیکن ایسا امام جو حروف کے مخارج وصفات میں کوئی فرق نہ کرتا ہو مثلاً صاد کی جگہ سین، ط کی جگہ ت، شین کی جگہ سین، ح کی جگہ ہ وغیرہ یا متحرک کی جگہ ساکن اور ساکن کی جگہ متحرک پڑھنے والا دھیان دلانے کے بعد بھی لاپرواہی سے پڑھنے والا کتب ترتیل کو نہ ماننے والا حالانکہ "**ورتل القرآن ترتیلا**" کے متعلق استاذ القرآء حضرت مولانا قاری محب الدین احمد صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ تنویر المرأت شرح ضیاء القرأت میں فرماتے ہیں کہ "اگر قرآن کریم کو ترتیل کے خلاف پڑھا گیا تو دو وجہوں سے خوف عذاب ہے ایک ترک وجوب کے مرتکب ہونے سے۔ دوسری تحریف ادا سے کیونکہ وحی منزل کے موافق قرآن نہ پڑھا گیا یہ تحریف اگر قصداً ہے تو تحریف کرنے والا کافر ہے، ورنہ گنہگار۔ خلاصہ البیان میں لکھا ہے: "**لزم الاثم علی ترکہ لاسیما لمن لا یبالی شانہ۔**" اس کی اہمیت کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "**رب قار للقرآن والقرآن یلعنہ**" آگے فرماتے ہیں: "ترتیل کے خلاف پڑھا گیا تو نماز نہ ہوگی جیسا کہ کبیری شرح منیۃ المصلی میں ہے کہ کسی نے "**اللہ الصمد**" میں صاد کی جگہ سین پڑھ دیا تو نماز فاسد ہوگئی اسی طرح منیہ کے باب زلۃ القاری میں لکھا ہے کہ "**حمالۃ الحطب**" کی جگہ حتب پڑھا گیا تو نماز نہ ہوگی جو سجدہ سہو سے بھی صحیح نہ ہوگی اور قاری قرآن اور سامع قرآن دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ عذاب ثواب دونوں میں برابر ان حالات میں جماعت کے ساتھ نماز کیسے پڑھی

جاسکتی ہے۔ مع حوالہ کتب عام فہم جواب دیا جائے۔ فقط والسلام۔

المستفتی: محمد عبداللہ، ساکن بلاہیا، پوسٹ بکھری کنارا،
وایا سرسنڈ، ضلع سیتامڑھی، بہار

۱۷؍مارچ ۱۹۹۹ء

۶۸؍۷؍۹۲

الجواب بعون الملك الوهاب: قرآن شریف حدیث شریف فقہ و فتاویٰ کی معتبر مشہور و معروف کتابوں سے یہی ثابت کہ جب تک تلاوت میں تصحیح حروف نہ ہو اس کی تلاوت حرام اس کی تلاوت کا سننا حرام اس کی نماز نماز نہیں۔ اس کے پیچھے کسی کی نماز نہیں ایسے کو امام بننا حرام ایسے کو امام بنانا حرام۔ فتاویٰ رضویہ ج ۳، ص ۹۴ پر اس سوال کے جواب میں کہ بجائے "الحمد و الرحمن و الرحیم۔" کے "الهمد و الرهمن و الرهیم۔" بر ہائے ہوز پڑھتا ہے ایسے شخص کو امام بنانا جائز یا نہیں؟ الخ الجواب اسے امام بنانا ہرگز جائز نہیں اور نماز اس کے پیچھے نادرست کہ اگر وہ شخص ح کے ادا پر بالفعل قادر ہے اور باوجود اس کے اپنی بے خیالی یا بے پرواہی سے کلمات مذکورہ میں ہ پڑھتا ہے تو خود اس کی نماز فاسد و باطل اوروں کی اس کے پیچھے کیا ہو سکے اور اگر بالفعل ح پر قادر نہیں اور سیکھنے پر جان لڑا کر کوشش نہ کی تو بھی خود اس کی نماز محض اکارت اور اس کے پیچھے ہر شخص کی باطل اور اگر ایک ناکافی زمانہ تک کوشش کر چکا پھر چھوڑ دی جب بھی خود اس کی نماز پڑھی بے پڑھی سب ایک سی اور اس کے صدقہ میں سب کی گئی اور اگر برابر حد درجہ کی کوشش کئے جاتا ہے مگر کسی طرح ح نہیں نکلتی تو اس کا حکم مثل امی کے ہے کہ اگر کسی صحیح پڑھنے والے کے پیچھے نماز مل سکے اور اقتدا نہ کرے بلکہ تنہا پڑھے تو بھی اس کی نماز باطل پھر امام ہونا تو دوسرا درجہ ہے اور پر ظاہر ہے کہ اگر بالفرض عام جماعتوں میں کوئی درست خواں نہ ملے تو جمعہ میں تو قطعاً ہر طرح کے بندگان خدا موجود ہوتے ہیں پھر اس کا ان کی اقتدا نہ کرنا اور آپ

امام ہونا خود اس کی نماز کا مبطل ہوا اور جب اس کی گئی سب کی گئی۔

بہر حال ثابت ہوا کہ نہ اس شخص کی اپنی نماز ہوتی ہے نہ اس کے پیچھے کسی اور کی تو ایسے کو امام بنانا حرام اور ان سب مسلمانوں کی نماز کا وبال اپنے سر لیتا ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالیٰ!** اور اسی میں ج ۳ ص ۱۰۴ میں ہے: جو حروف و حرکات کی تصحیح اع، ت ط، ث س ص، ح ہ ذ ز ظ، وغیرہا میں تمیز غرض ہر نقص و زیادت و تبدیل سے کہ مفسد نماز ہے جو شخص قادر ہے اور بے خیالی یا بے پرواہی یا جلدی کے باعث اسے چھوڑتا ہے یا سیکھے تو آجائے مگر نہیں سیکھتا ہمارے ائمہ کرام مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اس کی نماز باطل اور اس کی امامت کے بطلان اور اس کے پیچھے اوروں کی نماز فاسد ہونے میں تو کلام ہی نہیں۔ علمائے متاخرین نے بنظر تیسیر جو توسیعیں کیں وہ عند التحقیق صورت لغزش و خطا سے متعلق ہیں کہ صحیح جانتا ہے اور صحیح پڑھ سکتا ہے مگر زبان سے بہک کر غلط ادا ہو گیا نہ کہ معاذ اللہ فتویٰ بے پروائی و اجازت غلط خوانی و ترک تعلم و کوشش جیسا کہ عوام زمانہ بلکہ اکثر خواص میں بھی وبائے عالمگیر کی طرح پھیلا ہوا ہے اور نہ کبھی کسی تو وہ عوام کی نمازیں ہیں نہ کہ غلط خوانوں کو امام بنانے کے لئے وہی علما جو وہ توسیعات لکھتے ہیں۔ بطلان امامت کی تصریح فرماتے ہیں اور جو قادر ہی نہیں کوشش کرتا ہے محنت کرتا ہے مگر نہیں نکلتا جیسے بگی زبان والے گنوار کہ قاف کو کاف، ذال کو جیم پڑھیں صحیح مذہب میں صحیح خواں کی نماز ان کے پیچھے بھی نہیں ہو سکتی۔ تفصیل اس مسئلہ جلیلہ کی جس سے آج کل نہ صرف عوام بلکہ بہت علما و مشائخ تک غافل ہیں فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ کے فتاویٰ میں ہے: "لایصح اقتداء غیر الالثغ به علی الاصح بحر و حرر الحلبی و ابن الشحنة انه بذل جهده دائماً حتی کالامی فلا یوم الامثلة و لاتصح صلوته اذا امکنه الاقتداء بمن یحسنه او ترك جهده او وجد قدر الفرض مما لا لثغ به فیه هذا هو الصحیح المختار فی الحکم الالثغ و کذا من لایقدر علی التلفظ بحرف

من الحروف۔" اور جو شخص خلاف شریعت مطہرہ کے فیصلہ کرے اسے امام بنانا جائز نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ: "و من لم یحکم بما انزل اللہ فأولئك هم الفسقون" غنیہ میں ہے: "لو قدموا فاسقا یأثمون." اور اس کے پیچھے نماز سخت مکروہ کما حققه المحقق الحلبی فی الغنیة و العلامة الشرنبلالی فی المراقی وغیرهافی غیرهما فقد بینا فی غیر موضع من فتاوانا وهو قضیة الدلیل فعلیه فلیکن التعویل. و اللہ سبحانه وتعالیٰ اعلم وحکمه جل مجده اتم احکم. انتہی. و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

۲۸/۱۱/۱۴۱۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ اردو کی چوتھی کتاب وغیرہ پڑھا ہوا ہے پہلے سے میلاد فاتحہ نیاز وغیرہ پڑھتے آیا ہے اور پنج وقتہ نماز تو درکنار جمعہ کی نماز بھی قضا ہو جاتی ہے۔ مخارج حروف کا تو یہ حال ہے کہ صحیح سے سورہ فاتحہ بھی نہیں پڑھ پاتا ہے۔ نیز زید مع بیوی کے سنیما اور ناچ کے عادی ہیں۔ محلے میں آپس میں نا اتفاقی پیدا ہونے کی وجہ سے کسی بات پر برخلاف اور وقت آجانے پر مثلاً نماز جنازہ، میلاد و فاتحہ سب کچھ کر رہا ہے۔ گویا ایک امام اپنے کو شمار کرتا ہے۔ نیز زید کا بیٹا اور باپ دونوں سود کھاتا ہے۔ زید اپنے کو سنی کہلاتا ہے مگر دیوبندی سے خوب میل وملاپ رکھتا ہے۔ کچھ کچھ دیوبندی کا اثر زید میں پایا جاتا ہے۔ کیا ایسے زید کو امام بنانا یا اس کے ساتھ طعام وقیام جائز ہے یا نہیں؟ اس کو از روئے شرع کیا حکم ہے۔ اصول فقہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

(۲) مسجد کے نیچے والی بنیاد سرکاری روپے جو بھول کے وقت دیا گیا تھا، کنواں بنانے کے لیے اینٹیں دی گئیں تھی اور کچھ پنچایت کی طرف سے بجائے وہ

اینٹیں کنواں میں لگانے کے مسجد کی دیوار میں رکھی گئیں۔ نیز مسجد کا اوپر والا حصہ اسکول کا چھپر ہے۔ کیا سرکاری روپے یا اینٹیں یا پنچایت کے روپے سے مسجد کی تعمیر کرانی جائز ہے؟ اگر نا جائز ہے تو اس کے جائز ہونے کی کیا صورت ہوگی۔ از روئے شرع فیصلہ فرما کر جواب عنایت کریں۔

(۳) کیا فرماتے علمائے دین مسئلہ ذیل میں۔ زید تقریباً دو سال سے ایک غیر مسلمہ کے ساتھ زنا میں مبتلا ہے۔ زید قصاب کا کام کرتا ہے۔ نیز زید شرابی بھی ہے۔ گوشت پلوا کر کے ہندوؤں کے ہاتھ فروخت کرتا ہے، سر اور پائے گھر لیجاتا ہے اور سبھی گھر والے مل کر کھاتے ہیں اور باقی ماندہ پلوا گوشت بھی اور گا ہے بگا ہے اگر بتی موم بتی خرید کر مسجد کے لیے دیتا ہے، کیا ایسے زید کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا جائز ہے یا نہیں نیز پلوا گوشت کا کیا حکم ہے۔ فقط

المستفتی: عبد الرحمن برکاتی امام مسجد گور چھاری نیپال

الجواب: بعون الملك الوهاب.

(۱) امامت کے لیے صحیح العقیدہ، صحیح القرءۃ اور فسق وفجور سے پاک ہونا ضروری ہے کم از کم امام تلاوت میں حروف اتنے صحیح ادا کرے کہ نماز میں فساد نہ آنے پائے اور فاسق اور بد مذہب نہ ہو اور مسائل نماز وطہارت سے واقف ہو۔ تارک نماز ہونا سود کھانا اور ناچ وسنیما کا دیکھنا بد مذہبوں سے میل میلاپ رکھنا فسق ہے۔ شخص مذکور فی السوال بوجوہ کثیرہ فاسق ہے کہ ان میں سے ہر امر فسق کے لیے کافی ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا ممنوع ومکروہ اور پڑھی ہوئی کا اعادہ شرعاً مطلوب۔ من کراهة الصلوة خلف الفاسق وان کل صلوة ادیت مع کراهة فانها تعاد وجوباً لو تحریمة وندباً لو تنزیهةً وقد اختار المحقق الحلوی کراهة تحریمة فی الفاسق واللہ اعلم بالصواب.

(۲) کنواں کے لیے دی گئیں اینٹیں اسی میں لگنی چاہیے تھیں۔ ایسے روپیوں

سے اینٹوں بکڑیوں کو مقدس جگہوں سے دور ہی رکھنا چاہیے۔ مگر جب مسجد کی تعمیر ہوگئی تو اب اس کی وجہ سے منہدم کرنا روا نہیں۔ ھذا ماظھر عندی (۳) لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ ایسے شخص کے ذبیحہ سے بچنا بہتر ہے، پلوا گوشت سے احتراز ضروری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب صلاۃ العیدین

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زید عید الاضحیٰ کی نماز پڑھا رہا تھا تکبیر تحریمہ کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنے لگا جب امام صاحب سورۂ فاتحہ پڑھ چکے تو پیچھے سے مقتدیوں نے کہا تین تکبیریں چھوٹ گئیں اس آواز کو سنتے ہی امام صاحب فوراً تین تکبیر کہنے لگے۔ اور پھر سورہ فاتحہ پڑھنے لگے اور نماز ختم کی۔

جواب طلب یہ ہے کہ (۱) تین تکبیر کو ترک کیا گیا جب سورۂ فاتحہ پڑھ چکے تو مقتدی نے لقمہ دیا اس طرح کہ تین تکبیریں چھوٹ گئیں۔ اور بعض نے کہا کہ مولوی صاحب تین تکبیر چھوٹ گئی اس طرح کا لقمہ دینا کیسا ہے؟ اور اس لقمہ پر امام صاحب نے بغیر نیت توڑے فوراً پڑھنے لگے اور دو رکعت نماز مکمل کی نماز کے بعد فوراً شوروغل ہونے لگا۔ کیونکہ جب امام صاحب تکبیر واجبات چھوڑ دیئے اسی وقت کئی نمازی بھی نیت توڑ کر بولنے لگے کہ نماز نہ ہوئی حالت نماز میں کئی لوگ شوروغل کرنے لگے بعد اختتام نماز امام صاحب خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اس وقت شوروغل ہوا کہ نماز دہرائی جائے کیونکہ جس مقتدی نے لقمہ دیا ہے وہ خارج نماز ہوگیا اس خطبہ کے دوران ایک عالم کھڑے ہوکر کہنے لگے کہ آپ لوگ ادھر ادھر نہ کریں۔ بلکہ جس کو کتاب دیکھنی ہو مدرسہ میں آکر دیکھیں بہرکیف اب تک شوروغل ہے شرع کا کیا حکم ہے؟ کہ دو مرتبہ ایک ہی حالت قیام میں سورۂ فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟

(۲) سورۂ فاتحہ کے درمیان تین تکبیر کہنا کیسا ہے؟ جب کہ اس کا محل تکبیر تحریمہ کے بعد ہے۔

(۳) مقتدی نے جس الفاظ سے لقمہ دیا کیا اس طرح لقمہ دینا جائز ہے؟ اگر اس طرح جائز نہیں ہے تو کیا اس کے لقمہ کو امام صاحب کا لینا کیسا ہے؟ کیا اس طرح

حالت نماز میں لقمہ دینے سے مقتدی خارج نماز نہ ہو جائے گا۔

(۴) امام صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ اس مقتدی کے لقمہ پر تکبیر کہا ہے انہوں نے کہا کہ ہاں جیسے لقمہ دیا میں تکبیر شروع کر دیا۔

(۵) محراب کے نزدیک لاؤڈ اسپیکر موجود تھا جب آخری سجدہ سے سر اٹھایا تو مائک سے اللہ اکبر نکلا اس وقت کسی نے مائک کو کھول دیا۔ یا مائک پہلے سے کھلا رہا ہو اور سلام کی بھی آواز مائک سے نکلی کیا یہ مفسد صلاۃ ہوا یا نہیں؟

(۶) جماعت میں کئی نمازی نے نماز توڑ دیا اور کہنے لگے کہ نماز نہ ہوئی کیا جن نمازی نے نیت توڑ کر بولنا شروع کیا اس سے انقطاع صف ہوا یا نہیں؟ اگر انقطاع صف ہوا تو شرعا اب کیا حکم ہے؟ اگر انقطاع صف نہ ہوا تو کیا حکم ہے؟ انقطاع صف ہونے سے نماز ہو جائے گی؟

(۷) کیا عید الاضحیٰ کی نماز جس میں صرف بستی کے لوگ رہتے ہیں اس پر جماعت کثیر کا حکم ہوگا یا نہیں؟ کیا عید الاضحیٰ کی نماز میں واجبات چھوٹنے پر سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب بعون الملك الوهاب: صورت مستفسرہ میں کسی کی نماز نہ ہوئی نہ امام کی نہ کسی مقتدی کی اور سب گنہگار اس طرح لقمہ دینا اور لینا قطع صلاۃ ہے۔ اور قطع صلاۃ بلا عذر حرام ہے۔

ردالمحتار ج ا ص ۵۲۶ پر ہے:

"نقل عن خط صاحب البحر علی ہامشۃ ان القطع یکون حراما و مباحا و مستحبا و واجبا فالحرام لغیر عذر و المباح اذا خاف فوت مال و المستحب القطع للاکمال و الواجب الاحیاء نفس۔"

جب مقتدی نے کہا "ہو" یا "تین" اسی وقت انھوں نے اپنی نمازیں بلا ضرورت قطع کر لی اور قرآن و حدیث کا خلاف کر کے گنہگار ہوئے۔

درمختار ج ۲ ص ۴۵۴ میں ہے:

"یفسدها التکلم هو النطق بحرفین او حرف مفهم عمدہ و سهوہ قبل قعودہ قدر التشهد سیان و سواء کان ناسیا او نائما او جاهلا او مخطئا او مکرها هو المختار۔"

یعنی قدر تشہد سے پہلے کلام جس طرح بھی ہو مفسد نماز ہے ایک حرف با معنی یا دو حرفوں کے ساتھ ہو عمداً ہو یا خطئاً یا سہواً یا سوتے میں یا بھولے سے یا کسی نے کلام کرنے پر مجبور کیا یا اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ کلام کرنے سے نماز جاتی رہتی ہے۔ یہی مختار ہے۔

اور اسی میں ج ا ص ۴۵۹ میں ہے:

"امتثل امر غیرہ فقیل له تقدم فتقدم او دخل فرجة الصف احد فوسع له فسدت بل یمکث ساعة ثم یتقدم برائه قهستانی معزیا للزاهدی۔"

یعنی غیر خارج نماز نے نمازی سے کہا کہ آگے بڑھ وہ نمازی آگے بڑھ گیا یا کوئی صف کے اندر داخل ہوا اور نمازی نے اس کے واسطے جگہ کشادہ کر دی تو اس کی نماز فاسد ہو گئی بلکہ کچھ دیر رک جائے پھر اپنی رائے سے آگے بڑھے قہستانی نے اس مسئلہ کو زاہدی کی طرح منسوب کیا ہے۔

اور عنایہ ص ۳۵۱ میں ہے:

"و التلقن من الغیر مفسد لامحالة۔" یعنی غیر نمازی سے نمازی کا لقمہ لینا لامحالہ مفسد نماز ہے۔

اس بالا بیان سے روشن ہوا کہ جونہی امام نے ان کا لقمہ قبول کیا امام کی نماز گئی اور اس کے ساتھ سارے مقتدی کی بھی جس طرح ان مقتدیان کی جنہوں نے کہا ہو "مولیٰ" یا "تین" الخ بوتے ہی نماز گئی اور خارج نماز ہو گئے فاتح اور آخر دونوں سے قرآن عظیم کی مخالفت ہوئی۔ قال تعالیٰ: یا ایها الذین آمنوا اطیعوا اللہ و

اطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم۔" (۲۶،ع۸)

اس کے تحت روح البیان ج ۸،ص ۵۲۳ میں ہے:

"وفی الآیۃ اشارۃ الی ان کل عمل وطاعۃ لم یکن بامر اللہ وسنۃ رسولہ فھو باطل لم یکن لہ ثمرۃ لانہ صدر عن الطبع۔" پھر ارشاد ہے: "فعلیك بالاطاعۃ و استعمال الشرعیۃ و ایاکم و المخالفۃ و الاھمال۔" اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی پر فرض تھا اس طرح لقمہ دینا اور امام پر فرض تھا اس طرح کا لقمہ نہ لینا کہ اس طرح لقمہ تلقن من الخارج مفسد نماز ہے۔ کما مر آنفا عن العنایۃ امام پر فرض تھا مقتدی کی نمازوں کو بچانا جب امام نے قرأت شروع کردی اور تکبیریں بھول گیا تو قرأت کے بعد کہہ لینا یا رکوع میں کہہ لینا اور اس پر قرأت کا اعادہ بھی نہ تھا۔

فتاویٰ عالمگیری ج ۱،ص ۷۸ میں ہے:

"و اذا نسی الامام تکبیر العید حتی قرء فانہ یکبر بعد القرأۃ او فی الرکوع مالم یرفع راسہ کذا فی التاتارخیانیۃ۔"

اور بہار شریعت ج ۴،ص ۱۰۸:

عیدین کے بیان میں ہے "پہلی رکعت میں امام تکبیریں بھول گیا اور قرأت شروع کردی تو قرأت کے بعد کہہ لے یا رکوع میں اور قرأت کا اعادہ نہ کرے" (غنیہ عالمگیری) اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک تکبیرات عیدین پہلی رکعت میں بھی قرأت کے بعد ہے جیسا کہ بدائع الصنائع ج ۱،ص ۲۷۷ میں ہے: "و عندہ یقدم القرأۃ علی التکبیرات فی الرکعتین جمیعاً۔" اور سیدنا عمر فاروق اور عبداللہ ابن مسعود اور ابی مسعود انصاری اور ابو موسیٰ اشعری اور حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہم کا مذہب پہلی میں قرأت سے پہلے اور دوسری میں قرأت کے بعد ہے۔" کما قال فی الھدایۃ

درمختار ج ۱،ص ۶۱۵ پر ہے:

"وھی ثلاث تکبیرات فی کل رکعۃ ویوالی ندبا بین القرأتین۔"

اور ردالمحتار میں اس کے تحت ہے:

"اشار بقولہ ندبا الی انہ لو کبر فی اول کل رکعۃ جاز لان الخلاف فی الاولویۃ۔

اور مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص ۳۴۷ میں ہے:

"و ھذا الفعل و ھو الموالات بین القرأتین و التکبیر ثلاثا فی کل رکعۃ اولی من زیادۃ التکبیر علی الثلاث فی رکعۃ و من تقدیم تکبیرات الزوائد فی الرکعۃ الثانیۃ علی القرأۃ۔

و فی الھدایۃ علی ج ۱،ص ۲۷۸:

ان محل التکبیرات فی الاصل القیام۔"

اور اسی میں ہے:

"ولھما ان الرکوع حکم القیام الاتری ان مدرکہ یکون مدرکا للرکعۃ فکان محلھا قائما فیأتی بھا۔"

مذکورہ بالا بیان سے واضح ہوگیا کہ تکبیر کا محل حالت قیام ہے تو وہ قرأت پہلے ہو یا بعد دونوں جائز ہے۔ ہاں اول میں قرأت سے پہلے ہو اور دوسرے میں بعد قرأت ہونا مستحب ہے۔ کما سبق عن الدر و الرد و المراقی اور اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ امام کو قرأت شروع کردینے کے بعد تکبیر کی طرف غور کرنا نہیں ہے بلکہ قرأت کے بعد تکبیر کہہ لے نماز میں اس صورت میں نقصان نہ آئے گا، نہ کسی امر ناجائز کا ارتکاب ہوگا جس سے اس کا مرتکب گنہگار ثابت ہو ہاں خلاف اولیٰ ضرور ہوگا۔ کما ایضاً المستفاد من الجلد الرابع من الفتاوی الرضویۃ علی ج ۳،ص ۸۱۴

اور جس نے کہا کہ نماز ہوگئی غلط کہا کہ تلقن من الخارج سے نماز نہیں ہوتی جیسا کہ عنایہ وغیرہ میں مذکور ہے اور سجدۂ سہو کی بات اس وقت صحیح ہوتی جب نماز صحیح ہوتی اور جب نماز باطل تو اس کے لئے سجدۂ سہو کو لازم ہونے یا نہ ہونے کی بحث باطل۔

(۲) خلاف اولی ہے اس کا محل قیام ہے اور تکبیر تحریمہ کی بعد فوراً مستحب ہے۔

(۳) اس طرح لقمہ دینا اور لقمہ لینا دونوں ناجائز و حرام ہے اور اس کا مرتکب گنہگار۔ کما قال تعالیٰ: "اعمالکم۔" اور اس طرح لقمہ دینے سے بلاشبہ مقتدی نماز سے خارج ہوجائے گا۔

(۴) جب ایسا ہے تو نماز نہ ہوئی۔

(۵-۶) جب نماز ہی نہ ہوئی تو اس کی بحث بے سود ہے جمہور اکابر علمائے اہل سنت کے نزدیک مائک کی آواز پر اقتدا صحیح نہیں ہے جو کرے گا اس کی نماز نہ ہوگی۔ اور انقطاع صف مانع صلوۃ نہیں ہاں مکروہ تحریمی ہے۔

(۷) لوگوں کی بھیڑ بھاڑ جہاں بھی ہو جماعت کثیر ہے اور جب جماعت کثیر ہو اور مسائل صلوۃ سے واقف اور ناواقف لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہو اور جمعہ یا عیدین میں سہو واقع ہو تو بہتر یہ ہے کہ سجدۂ سہو نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کیا فرماتے ہیں مفتی دین شرع متین مسئلہ ذیل میں کیا فرماتے ہیں زید عالم ہے لیکن ان کا فعل کہ بیت رسول کے رقم گندم وغیرہ کو چوری کر کے فروخت کیا پکڑانے کے بعد مدرسہ سے ان کو نکال دیا گیا خود کھایا اور اہل وعیال کو بھی کھلایا اس پر کیا حکم ہے؟ جو امام مسجد بھی ہے۔ دوسرا فعل بکر نے اپنی مجبوری کے تحت چاندی کے زیورات فروخت کرنے کے لئے امام سمجھ کر زید کو دیا جس میں سے تقریباً ایک ہزار روپیہ چھپا کر کھایا جس کا پتہ بعد چلا جن لوگوں نے انکے پیچھے نماز پڑھی ان کی نماز ہوئی کہ نہیں؟ اور امامت و خطابت محفل میلاد وغیرہ کا حق رکھتے ہیں کہ نہیں؟ ان سے

محفل و امامت کرا سکتے ہیں کہ نہیں؟ پھر دوبارہ مدرسہ میں پڑھانے کے لئے رہ سکتے ہیں کہ نہیں؟ علاوہ اس کے اور بھی بہت سی باتیں ہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

سائل: غلام رسول پچھی پور، مرلاہی (نیپال)

۹۲/۷۸۶

الجواب: بعون الملك الوهاب: عالم وہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرے اس کی محرمات سے بچے۔ قال تبارك وتعالىٰ: "انما يخشى الله من عباده العلماء۔" قرآن شریف وحدیث شریف کے مطابق اس کا عمل ہونا چاہئے جس کا کردار اس کے مطابق نہیں اس کی مثال گدھے کی سی ہے۔ "قال تبارك و تعالىٰ: "كمثل الحمار يحمل اسفارا" گدھے کی مثال ہے جو پیٹھ پر کتابیں اٹھائے ہیں اور بوجھ کے سوا ان سے کچھ بھی نفع نہ پائے۔ ایسا شخص نام علم کو بدنام کرتا ہے جانوروں سے بدتر ہے ہرگز ہرگز نہ قابل امامت ہے نہ لائق خطابت اور نہ کسی تعظیم و توقیر کا مستحق اور نہ اس کی صحبت میں بچوں کو دینا روا۔ قال تعالىٰ: "لا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظلمين۔" جب اس کا فسق اعلانیہ تھا تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا حرام تھا جو جو اس کے پیچھے دانستہ نمازیں پڑھیں اعادہ کریں کہ فاسق معلن کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ واجب ہے۔ كما في الفتاوى الرضويه وغيرها۔

جب تک یہ شخص یعنی مذکور فی السوال سچی توبہ کر کے اصلاح حال نہ کرلے اسے کسی منصب پر کسی حال میں نہ رکھیں۔ ہاں جب اس کا صلاح حال ہوجائے اور علاقہ کے مرجع فتویٰ اور صاحب تقویٰ کو اس کا اطمینان پورا پورا ہوجائے کہ اب یہ بدعملی میں مبتلا نہ ہوگا تو اس صورت میں فلا باس به كما في بدائع الصنائع۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۲۰/۳/۱۴۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں:

کہ ہندہ زید کی بیوی ہے اور یہ دونوں سنی ہیں شادی کے دو سال بعد ہندہ اپنے شوہر زید کو چھوڑ کر دوسرے کے ساتھ بلا طلاق لئے یعنی بکر کے ساتھ رہنے لگی اپنے طور پر بکر سے شادی کرلیا اسے ایک بچہ عمرو پیدا ہوا عمرو پڑھ کر سنی عالم ہو گیا اب محلہ کے لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھنے کو تیار نہیں ہیں عمرو کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ وہ امامت کرسکتے ہیں یا نہیں؟ تفصیلا جواب مرحمت فرمائیں۔ **بینوا توجروا۔**

المستفتی: محمد رفیق عالم

مقام کمہیلا سا، پوسٹ لہار پٹی، ضلع مہوتری (نیپال)

۱۴ر۱۱ر۷ ۱۴۲۰ھ

الجواب بعون الملك الوهاب: اگر عمرو اس زانی اور زانیہ سے جدا رہتا ہے اور ان دونوں ہندہ اور بکر کے افعال بد سے بیزار ونالاں ہے ان کے ساتھ طعام وقیام نہیں کرتا ہے تو اس کی پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں کہ خود وہ بے قصور ہے اور یہ لڑکا زید کا ہی قرار پائے گا۔ کہ حدیث شریف میں ہے: "قال صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم الولد للفراش وللعاهر الحجر" اور اگر عمرو کا نسب ثابت نہ ہو مثلاً زید مرگیا ہوا اور اس کی موت سے دو سال بعد عمرو زنا سے پیدا ہوا ہو تو ولد زنا قرار پائے گا۔ اس صورت میں اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی اگر کوئی حاضرین میں قابل امامت اس سے اچھا پایا جائے ورنہ مکروہ بھی نہ ہوگی۔

فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۸۴ میں ہے:

"و تجوز امامة الاعرابی و الاعمٰی و العبد و ولد الزنا و الفاسق كذا فی الخلاصة الا انها تكره هكذا فی المتون۔"

اور مختار ج ۱ ص ۴۱۵: "هذا ان وجد غيرهم و الا فلا كراهة انتهى"

و الله تعالىٰ اعلم بالصواب۔

اذان خطبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ خطبہ کی اذان ثانی کہاں پر ہونی چاہئے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں اور نماز پنجگانہ کے لئے منارہ والی اذان کہاں پر ہونی چاہئے؟ مدلل ومفصل تحریر فرمائیں۔

دعا گو: رئیس احمد اہل سنت

ملنے کا پتہ: لئیق احمد مستری بن بسا کالونی، ضلع نینی تال، یوپی

الجواب: بعون الملك الوهاب: خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے بیرون مسجد دروازہ پر ہونی چاہئے۔

تفسیر روح البیان جلد نہم پارہ اٹھائیس میں خاتمة المفسرين قدوة ارباب الحقيقة و اليقين مفخر الاماثل و الاكابر الجامع بين البواطن و الظواهر الامام العالم و الفاضل و الشيخ التحرير الكامل فريد اوانه و قطب زمانه منبع جميع العلوم و مولانا و مولى الروم الشيخ اسمٰعيل حقى البروسوى قدس سره العالى المتوفى ۱۱۳۷ھ فرماتے ہیں:

"و قد كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم مؤذن واحد فكان اذا جلس على المنبر اذن على باب المسجد فاذا نزل اقام الصلوٰة ثم كان ابوبكر و عمر رضى الله عنهما على ذلك حتى اذا كان عثمان رضى الله تعالىٰ عنه و كثرت الناس و تباعدت المنازل زاد مؤذنا آخر فأمر بالتاذين الاول على دار له بالسوق يقال له الزوراء يسمع الناس فاذا جلس على المنبر اذن المؤذن الثانى فاذا نزل اقام للصلوٰة فلم يعب ذلك عليه۔ اهـ

یعنی حضور پر نور شفیع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ایک مؤذن تھا تو جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوتے تو مؤذن مسجد کے دروازہ پر اذان کہتا پھر جب منبر سے نزول فرماتے تو مؤذن اقامت کہتا پھر امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے اپنے دور خلافت تک یونہی عمل پیرا رہے لیکن جب امیر المؤمنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور آیا اور مسلمانوں کی کثرت ہوئی مکانات محلات دور دور تک پھیل گئے تو اول اذان کا اضافہ فرمایا اور اپنے محل سرا کے پاس مقام زوراء پر اذان کہنے کا حکم صادر فرمایا تا کہ لوگ سنیں پھر جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو دوسرے مؤذن اذان پکارتا پھر جب منبر سے اترتے تو نماز کے لئے اقامت کہتا تو اس اضافہ پر کسی نے بھی اعتراض نہ کیا۔

اور حضرۃ العلامۃ قدوۃ الائمۃ اعلم الائمۃ ناصر الشریعۃ محی السنۃ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی الصوفی المعروف بالخازن تغمدہ اللہ برحمتہ آمین نے اپنی تفسیر خازن جلد رابع ص ۲۶۵ پارہ اٹھائیس میں: "اذا نودی للصلوٰۃ" کے تحت فرماتے ہیں:

"و اراد بهذا النداء الاذان عند قعود الامام على المنبر للخطبة لانه لم يكن في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم نداء سواه كان اذا جلس صلى الله عليه وسلم على المنبر (خ) عن السائب بن يزيد قال كان النداء يوم الجمعة اوله اذا جلس الامام على المنبر على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم و ابي بكر و عمر فلما كان عثمان و كثر الناس زاد النداء الثاني على الزوراء زاد في رواية فثبت الامر على ذلك و لابي داؤد قال كان يؤذن بين يدي النبي صلى الله عليه وسلم اذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد و ذكر نحوه الزوراء موضع عند سوق المدينة قريب من المسجد و قيل كان مرتفعا كل

منارۃ اھ" یعنی اس آیت کریمہ میں نداء سے مراد وہ اذان ہے جو منبر پر خطیب کے بیٹھتے وقت پکاری جاتی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس اذان کے سوا کوئی دوسری اذان نہ تھی یہ اذان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر پر تشریف رکھنے پر ہوتی تھی۔ (خازن) سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اذان اول روز جمعہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر صدیق و سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے دور میں امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوا کرتی تھی پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہوئے اور کثرت مسلمانوں کی ہوگئی تو دوسری اذان کا اضافہ مقام زوراء میں کر دیا اور ایک روایت میں اتنا اور ہے کہ امر اب اسی پر مستمر ہو گیا اور ابوداؤد میں ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے مسجد کے دروازہ پر جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر جلوہ گر فرماتے، کہی جاتی تھی اور بقیہ اس کے مثل ہے۔ الزوراء ایک جگہ کا نام ہے جو مسجد کے قریب مدینہ کے بازار کے پاس ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ ایک منارہ کی طرح بلند مقام کا نام ہے۔

اور صاوی علی الجلالین جلد چہارم ص ۱۷۴ میں ہے۔ حضرۃ الشیخ العلامۃ العارف باللہ تعالیٰ احمد الصاوی المالکی رضی اللہ عنہ زیر آیت کریمہ مذکور فرماتے ہیں:

"المراد به الاذان عند جلوس الخطيب على المنبر و ذلك لانه لم يكن في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم نداء سواه فكان له مؤذن واحد اذا جلس على المنبر اذن على باب المسجد فاذا نزل اقام الصلاة ثم كان ابوبكر و عمر و علي بالكوفة على ذلك حتى كان عثمان و كثر الناس و تباعدت المنازل زاد اذانا آخر فامر بالتاذين اولا على داره التي تسمى بالزوراء. فاذا سمعوا اقبلوا حتى اذا جلس على المنبر اذن المؤذن ثانيا و لم يخالفه احد في ذلك الوقت لقوله صلى الله عليه وسلم عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين من بعدي. اھ"

اور صحیح بخاری شریف جلد اول جزء رابع ص ۱۲۴ باب الاذان یوم الجمعة میں ہے:

"حدثنا آدم قال حدثنا ابن ابی ذئب عن الزهری عن السائب بن یزید قال کان النداء یوم الجمعة اوله اذا جلس الامام علی المنبر علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم و ابی بکر و عمر فلما کان عثمان و کثر الناس زاد النداء الثالث علی الزوراء و قال ابو عبد الله الزوراء موضع بالسوق بالمدینة۔"

اور اس حدیث شریف کو صاحب مشکوٰۃ المصابیح حضرت علامہ مولانا الشیخ ولی الدین محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی نے بھی مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۳ پر نقل فرمایا ہے۔

اور صحیح ابوداؤد شریف جلد اول ص ۱۷۱ میں یہی حدیث شریف مروی ہے:

"عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد و ابی بکر و عمر۔"

یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور سیدنا حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جمعہ کے دن منبر پر جلوس فرماتے تو آمنے سامنے بیرون مسجد دروازہ پر اذان پکاری جاتی تھی۔

فتح القدیر جلد اول باب الاذان، ص ۲۱۵ محقق علی الاطلاق الامام العلامة الشیخ کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید بن مسعود سیواسی ثم اسکندری المعروف بابن الہمام الحنفی المتوفی ۶۸۱ھ فرماتے ہیں:

"اما الاذان فعلی المأذنة فان لم یکن ففی فناء المسجد و قالوا لا یؤذن فی المسجد اھ۔"

یعنی اذان اذان خانہ پر ہو اور اگر اذان خانہ نہ ہو تو مسجد کے باہر ہو اور فقہائے

کرام نے فرمایا کہ مسجد کے اندر اذان نہ کہی جائے۔

اور اسی کتاب مستطاب کے باب الجمعہ، ص ۲۹ پر ہے:

"و هو ذکر الله فی المسجد ای فی حدوده الکراهة الاذان فی داخله الخ۔"

اور بدائع الصنائع ص ۱۴۹ پر ہے:

حضرت العلامة سیدنا علاء الدین ابی بکر ابن مسعود الکاسانی الحنفی الملقب بملک العلماء المتوفی ۵۸۷ھ فرماتے ہیں:

و لهذا کان الافضل ان یؤذن فی موضع یکون اسمع للجیران کالمأذنه و نحوها۔"

اور اسی کے ص ۱۵۲ پر ہے:

"و الصحیح قول العلامة لما روی عن السائب بن یزید انه قال کان الاذان یوم الجمعة علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم و علی عهد ابی بکر و عمر رضی الله عنهما اذاناً واحداً حین یجلس الامام علی المنبر فلما کانت خلافة عثمان رضی الله عنه و کثر الناس امر عثمان رضی الله تعالٰی عنه بالاذان الثانی علی الزوراء و هی المنارة و قیل اسم موضع بالمدینة۔"

اور ردالمحتار ص ۲۸۳ پر حضرت علامہ شیخ فقیہ عصر وحید دہر محمد امین شہیر بابن عابدین فرماتے ہیں:

فی القنیة و یسن الاذان فی موضع عالٍ و الاقامة علی الارض و فی اذان المغرب اختلاف المشائخ و الظاهر انه یسن المکان العالی فی المغرب ایضاً کما سیاتی و فی السراج و ینبغی للمؤذن ان یؤذن فی موضع یکون اسمع للجیران و یرفع صوته و یجهد نفسه لانه یتضرر اھ۔" بحر۔

اور اسی میں ہے:

"ولم تکن فی زمعة رسول الله صلی الله علیه وسلم مئذنة "بحر"
قلت وفی شرح الشیخ اسمعیل عن الاوائل للسیوطی ان اول من رقی المنارة مصر للاذان شرحبیل ابن عامر مرادی و بنی سلمة المنابر للاذان بامر معاویة و لم تکن قبل ذلك وقال ابن سعد بالسند الی ام زید ابن ثابت کان بیتی اطول بیت احوال المسجد فکان البلال یؤذن۔"

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ میں برسوں سے امامت کا کام انجام دیتا آرہا ہوں مگر دو تین سال سے مرض فالج کا شکار بن چکا ہوں۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ مرض مذکور کی وجہ سے امامت میں کوئی کراہت تو نہیں؟ کیونکہ لوگ مجھے بحیثیت امام اپنے محلہ میں رکھنا چاہ رہے ہیں۔ جواب مرحمت فرما کر عند اللہ وعند الناس ماجور ومشکور ہوں۔ والسلام

المستفتی: عبداللطیف

ساکن ونبی، دھنوشا (نیپال)

الجواب بعون الملك الوهاب: کوئی کراہت نہیں جب ما یجوز به الصلاة تلاوت کرلیتے ہیں اور قیام و رکوع وسجدہ وقعود کی صحیح ادائیگی ہو جاتی ہے مرض فالج مانع صلاۃ وامامت نہیں۔ و الله تعالیٰ اعلم بالصواب.

۱۸/ ۸/ ۱۴۰۸ھ

---

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ اس زید کا امام بنانا کیسا ہے؟ جب کہ زید زانی ہے جس کو مقتدی اور عوام کلی طور پر جانتے ہیں۔ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ واضح رہے کہ موجودہ امام جو مسجد کے لئے مقرر

ہے وہ بھی وہاں موجود ہے۔ تو کیا زید کی اقتدا جائز ہے کہ نہیں؟

(۲) زانی زید کو بکر قصداً امام بناتا ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھتا ہے اور عوام الناس کو جبراً نماز پڑھنے کا حکم دیتا ہے۔ بکر صاف لفظوں میں کہتا ہے کہ زید کے پیچھے نماز پڑھنا ہے تو پڑھو نہیں تو موجودہ مقرر امام نماز نہیں پڑھائے گا۔ بکر کا ایسا کہنا کیسا ہے؟

(۳) اگر زید کے پیچھے نماز درست نہیں ہے تو جن لوگوں نے نماز پڑھا اور عوام سے پڑھوایا ہے اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ مفصل ومدلل جواب عنایت فرمائیں

المستفتی: محمد صدیق ٹیلر محمد موسیٰ

موضع نوچا، پوسٹ مچھکونی، وایا پریہار، ضلع سیتامڑھی (بہار)

۱۹/ ۸/ ۱۴۰۸ھ

الجواب بعون الملك الوهاب: (۱) زانی فاسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز منع ہے اسے امام بنانا گناہ ہے اس کے پیچھے جو نمازیں پڑھی ہوں ان کا پھیرنا واجب، ردالمحتار میں ہے:" کراهة تقديمه يعين الفاسق كراهة تحريم"

(۲) بکر گناہ کا حکم دیتا ہے قرآن حکیم کے خلاف کرتا ہے ارشاد ربانی ہے:"و لا تعاونوا علی الاثم و العدوان" بکر توبہ کرے بصورت مذکورہ میں بکر کی بات ہرگز نہ مانی جائے گی۔

(۳) زانی کے پیچھے پڑھی ہوئی ساری نمازیں دہرائی جائیں۔ درمختار میں ہے:

"کل صلاۃ ادیت مع کراهة التحریم تجب اعادتها." و الله تعالیٰ اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب.

۱۹/ ۸/ ۱۴۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید ایک سنی صحیح العقیدہ عالم ہے جو اپنی بستی کے جامعہ میں درس وتدریس کا کام انجام دیتا ہے۔

اب امر طلب بات یہ ہے کہ زید کی بیوی ہندہ اور زید کی والدہ سے کچھ گھر کی بات لے کر آپس میں تنازع ہوئی جب زید کو اس کی خبر ملی تو زید جو عالم ہے فوراً گھر آیا اور بغیر سوچے سمجھے والدہ پر بری طرح جھپٹ پڑا یہاں تک ایسی ایسی گندی گالی دی جو کہیں دینا چاہیے تھا۔ جب والدہ بولی کہ تم اپنی بیوی کو سمجھاؤ تو فوراً او رغصہ ہو گیا والدہ کو مارتے ہوئے چوکھٹ پر دھکے دے کر گرا دیا جب والدہ گر گئی تو زید اپنی بیوی ہندہ کو حکم دیا کہ تم بھی اسے مارو شوہر کا حکم پاتے ہی ہندہ نے اپنی ساس کو بری طرح سے زدو کوب کی بعدہ محلہ والوں نے دیکھا تو کہنے لگے ایک عالم ہو کر اپنی ماں کو اس طرح مارتے ہو تو فوراً زید کہتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ جو مارے اس کو مار پھر بھی محلہ والوں نے کہا کہ حدیث شریف میں کیا ماں کے مارنے کا بھی حکم ہے؟ فوراً زید کہتا ہے ماں ہو یا کوئی ہو جو مارتا ہے اس سے مارو۔

امر طلب مسئلہ یہ ہے کہ ایسے عالم کی امامت درست ہے؟ ایسے شخص کا ساتھ دینے والا اور اس کے قول و فعل پر عمل کرنے والے شخص کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۲) زید اپنے والد خالد اور اپنے بڑے بھائی بکر (جو سنی صحیح العقیدہ و عالم ہے) کی عدم موجودگی میں اسی درمیان ایک مرتبہ اپنے بھابھی کو گندی گندی گالی دیتے ہوئے بولا کہ آنے دو کمینہ بکر کو تجھے طلاق دلوا دیتا ہوں اس بات کی تحقیق کے لئے جب بکر گھر پہنچا تو اپنے والد کے مشورہ سے فیصلہ کے لئے گاؤں کے کچھ اہم لوگوں کو بلا کر فیصلہ کروانا چاہا تو اس وقت زید گاؤں والوں سے اپنے بھائی بکر اور اپنے والد خالد کو گالی دلوایا، بے عزتی کر دیا۔

اب شریعت مطہرہ کا ایسے عالم دین اور جو لوگ اس میں شامل ہیں اس پر کیا حکم نافذ ہوتا ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں۔ **بینوا توجروا۔**

المستفتی:

عبدالحمید انصاری پرسوی (نیپال)

۷۸۶ / ۹۲

الجواب بعون الملک الوھاب: (۱) شخص مذکور فی الواقع اگر ویسا ہی ہے جیسا مذکور ہوا تو وہ یقیناً بدترین قسم کا جاہل اجہل الجہلاء ہے اور اکبر کبائر کا مرتکب افسق الفسقاء ہرگز لائق امامت نہیں۔ بلکہ واجب الاہانت اور قابل تعزیر و نفرت ہے ایسوں کی اقتداء میں نماز حرام پڑھا تو واجب الاعادہ جب تک اپنی غلطی کی معافی ماں سے چاہ کر توبہ صحیح نہ کرلے ورنہ مقاطعہ ضروری اور اس کی دانستہ غلط حمایت کرنے والے اسی کی طرح گنہگار مستحق عذاب نار سب پر توبہ فرض۔

قال تعالیٰ فی القرآن الشریف: "وبالوالدین احسانا" (پ ۱، ع ۹)

اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔

اس آیہ کریمہ کے تحت خزائن شریف میں ہے:

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی خدمت بہت ضروری ہے والدین کے ساتھ بھلائی کے یہ معنی ہیں کہ ایسی کوئی بات نہ کہے اور ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے انہیں ایذا ہو اور اپنے بدن و مال سے ان کی خدمت میں دینے میں دریغ نہ کرے۔ جب انہیں ضرورت ہو ان کے پاس حاضر رہے۔ اگر والدین اپنی خدمت کے لئے نوافل چھوڑنے کا حکم دیں تو چھوڑ دے ان کی خدمت نفل سے مقدم ہے۔ واجبات والدین کے حکم سے ترک نہیں کئے جاسکتے والدین کے ساتھ احسان کے طریقے جو احادیث سے ثابت ہیں یہ ہیں کہ تہ دل سے ان کے ساتھ محبت رکھیں رفتار و گفتار میں نشست و برخواست میں ادب لازم جانے ان کی شان میں تعظیم کے لفظ کہے ان کو راضی کرنے کی سعی کرتا رہے اپنے نفیس مال کو ان سے نہ بچائے ان کے مرنے کے بعد ان کی وصیتیں جاری کریں ان کے لئے فاتحہ، صدقات، تلاوت قرآن سے ایصال ثواب کرے۔ اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت کی دعا کرے، ہفتہ وار ان کی قبر کی زیارت کرے۔ (فتح العزیز) والدین کے ساتھ بھلائی کرنے میں یہ بھی داخل ہے کہ

اگر وہ گناہوں کے عادی ہوں یا کسی بدمذہبی میں گرفتار ہوں تو ان کو بنرمی اصلاح و تقویٰ اور عقیدۂ حقہ کی طرف لانے کی کوشش کرتا رہے۔ (خازن)

اور پارۂ پانزدہم رکوع سوم میں **قال تعالیٰ:**

"وبالوالدین احسانا" (پ ۱۵، ع ۳) اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اگر تیرے سامنے ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے اُف نہ کہنا اور نہ انھیں جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا اور ان کے لئے عاجزی کا بازو بچھا نرم دلی سے اور عرض کر کہ اے میرے رب! تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے بچپن میں پالا۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اگر تم لائق ہوئے تو بیشک وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔

ان آیات مذکورہ کے تحت خزائن شریف میں ہے:

"ماں باپ کو ان کا نام لے کر نہ پکارے یہ خلاف ادب ہے اور اس میں ان کی دل آزاری ہے لیکن وہ سامنے نہ ہوں تو ان کا ذکر نام لے کر کرنا جائز ہے۔ ماں باپ سے اس طرح کلام کرے جیسے غلام و خادم آقا سے کرتا ہے۔"

اور ۶۲ پر: یعنی بنرمی و تواضع پیش آ اور ان کے ساتھ تھکے وقت میں شفقت و محبت کا برتاؤ کر، کہ انہوں نے تیری مجبوری کے وقت تجھے محبت سے پرورش کیا تھا اور جو چیز انہیں درکار ہو وہ ان پر خرچ کرنے میں دریغ نہ کر۔

اور ۶۳ پر ہے:

"مدعا یہ ہے کہ دنیا میں بہتر سلوک اور خدمت میں کتنا بھی مبالغہ کیا جائے لیکن والدین کے احسان کا حق ادا نہیں ہوتا اس لئے بندہ کو چاہئے کہ بارگاہ الٰہی میں ان پر فضل و رحمت فرمانے کی دعا کرے اور عرض کرے کہ یا رب! میری خدمتیں ان کے احسان کی جزا نہیں ہو سکتی تو ان پر کرم کر کہ ان کے احسان کا بدلہ ہو۔"

پھر تحریر فرماتے ہیں:

اس آیت سے ثابت ہوا کہ مسلمان کے لئے رحمت و مغفرت کی دعا جائز اور اس سے فائدہ پہنچانے والی ہے مردوں کے ایصال ثواب میں بھی ان کے لئے دعا رحمت ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کے لئے یہ آیت اصل ہے والدین کافر ہوں تو ان کے لئے ہدایت و ایمان کی دعا کرے کہ یہی ان کے حق میں رحمت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ والدین کی رضا میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور ان کی ناراضی میں اللہ تعالیٰ کی ناراضی ہے دوسری حدیث میں ہے۔ والدین کا فرماں بردار جہنمی نہ ہوگا۔ اور ان کا نافرمان کچھ بھی عمل کرے گا گرفتار عذاب ہوگا۔ ایک اور حدیث میں ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: والدین کی نافرمانی سے بچو اس لئے کہ جنت کی خوشبو ہزار برس کی راہ تک آتی ہے اور نافرمان وہ خوشبو نہ پائے گا، نہ قاطع رحم، نہ بوڑھا زنا کار نہ تکبر سے اپنی ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا۔ انتہی۔

اور پارہ ۲۰، رکوع ۱۲ میں ہے:

"ووصینا الانسان بوالدیه حسنا" اور ہم نے آدمی کو تاکید کی اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کی۔

قال تعالیٰ: "ان اشکرلی ولوالدیک" (پ ۲۱، ع ۱۰)

یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔

خزائن میں اس کے تحت ہے: یہ وہ تاکید ہے جس کا ذکر اوپر فرمایا تھا۔ سفیان ابن عیینہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ: جس نے پنجگانہ نمازیں ادا کیں وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا اور جس نے پنجگانہ نمازوں کے بعد والدین کے لئے دعائیں کیں اس نے والدین کی شکر گذاری کی۔

فتاویٰ رضویہ ج ۱۰، ص ۷۵ نصف اول میں ایک مسئلہ کہ پسر نے باپ کی نافرمانی کی اور درپے تذلیل و توہین پدر کے ہے وغیرہ وغیرہ وہ کہاں تک گنہگار ہے؟ اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"پسر مذکور فاسق فاجر مرتکب کبائر عاق ہے اور اسے سخت عذاب وغضب الٰہی کا استحقاق باپ کی نافرمانی اللہ جبار وقہار کی نافرمانی ہے۔ اور باپ کی ناراضی اللہ قہار وجبار کی ناراضی ہے آدمی ماں باپ کو راضی کرے تو وہ اس کی جنت ہیں اور ناراضی کرے تو وہی اس کے دوزخ ہیں جب تک ماں باپ کو راضی نہ کرے گا اس کا کوئی فرض کوئی نفل کوئی عمل نیک اصلاً قبول نہ ہوگا۔ عذاب آخرت کے علاوہ دنیا ہی میں جیتے جی سخت بلا نازل ہوگی مرتے وقت معاذ اللہ کلمہ نصیب نہ ہونے کا خوف ہے۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "طاعة الله طاعة الوالد معصية الله معصية الوالد" اللہ کی اطاعت ہے والد کی اطاعت اور اللہ کی معصیت ہے والد کی معصیت۔ رواه الطبرانی عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه۔

دوسری حدیث میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "رضا الله فی رضا الوالد و سخط الله فی سخط الوالد۔" اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں۔ رواه الترمذی ابن حبان فی صحيحه الحاكم عن عبد الله ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما۔

تیسری حدیث میں ہے:

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "هما جنتك و نارك" ماں باپ تیری جنت اور تیری دوزخ ہیں۔ رواه ابن ماجه عن ابی امامة رضی الله تعالیٰ عنه۔

چوتھی حدیث میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "الوالد اوسط ابواب الجنة فان شئت فاضع ذلك الباب او احفظه۔" والد جنت کے سب دروازوں میں بیچ کا دروازہ ہے اب تو چاہے تو اس دروازہ کو اپنے ہاتھ سے کھو دے خواہ نگاہ رکھ۔

رواه الترمذی صححه و ابن ماجه و ابن حبان عن ابی الدرداء رضی الله تعالیٰ عنه۔

پانچویں حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"ثلثة لا يدخلون الجنة العاق لوالديه و الديوث و الرجلة من النساء" تین شخص جنت میں نہ جائیں گے ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا اور دیوث اور وہ عورت کہ مردانی وضع بنائے۔ رواه النسائی والبزاز باسناد جيد و الحاكم عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما۔

چھٹی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"ثلثة لا يقبل الله عز وجل منهم صرفاً و لا عدلا عاق و منان و مكذب بقدر" تین شخص کا کوئی فرض ونفل اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا عاق اور صدقہ دے کر احسان جتانے والا اور ہر نیکی اور ہر بدی کو تقدیر الٰہی سے نہ ماننے والا۔ رواه ابن ابی عاصم فی السنة بسند حسن عن ابی امامة رضی الله تعالیٰ عنه۔

ساتویں حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"كل الذنوب يؤخر الله منها ما شاء الی يوم القيمة الا عقوق الوالدين فان الله يعجله لصاحبه فی الحياة قبل الممات۔" سب گناہوں کی سزا اللہ تعالیٰ چاہے تو قیامت کے لئے اٹھا رکھتا ہے مگر ماں باپ کی نافرمانی کہ اس کی سزا جیتے جی پہنچاتا ہے۔ رواه الحاكم و الاصبهانی و الطبرانی عن ابی بكرة رضی الله تعالیٰ عنه۔

آٹھویں حدیث میں ہے:

ایک جوان نزع میں تھا اس سے کلمہ تلقین کرتے تھے نہ کہا جاتا تھا یہاں تک کہ حضور اقدس سید عالم ﷺ تشریف لے گئے اور فرمایا کہہ "لا اله الا الله" عرض کی نہیں کہا جاتا ہے معلوم ہوا کہ ماں ناراض ہے اس سے راضی کیا تو کلمہ زبان سے نکلا

رواہ الامام احمد والطبرانی عن عبداللہ بن اوفی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

اور اسی میں ج ۱۰ ص ۵۹ پر ہے:

اولاد پر باپ کا حق نہایت عظیم ہے اور ماں کا حق اس سے اعظم الی ان قال اسی طرح بہت حدیثیں دلیل ہیں کہ ماں کا حق باپ کے حق سے زائد ہے ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں: "سئلت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای الناس اعظم حقا علی المرأۃ قال زوجہا قلت فای الناس حقا علی الرجل قال امہ۔"

یعنی میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی عورت پر سب سے بڑا حق کس کا ہے فرمایا شوہر کا میں نے عرض کی اور مرد پر سب سے بڑا حق کس کا ہے فرمایا اس کی ماں کا۔ رواہ البزار بسند حسن والحاکم۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

"جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ من احق الناس بحسن صحابتی قال امک قال ثم من قال امک قال ثم من قال امک قال ثم من قال ابوک۔"

ایک شخص نے خدمت اقدس حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ سب سے زیادہ کون اس کا مستحق ہے کہ میں اس کے ساتھ نیک رفاقت کروں؟ فرمایا تیری ماں۔ عرض کی پھر؟ فرمایا تیری ماں۔ عرض کی پھر؟ فرمایا تیری ماں۔ عرض کی پھر؟ فرمایا تیرا باپ۔ رواہ الشیخان فی صحیحہما۔

تیسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"اوصی الرجل بامہ اوصی الرجل بامہ اوصی الرجل بامہ اوصی الرجل بابیہ۔"

میں آدمی کو وصیت کرتا ہوں اس کی ماں کے حق میں وصیت کرتا ہوں اس کی

ماں کے حق میں وصیت کرتا ہوں، اس کی ماں کے حق میں وصیت کرتا ہوں، اس کے باپ کے حق میں۔ رواہ الامام احمد و ابن ماجہ والحاکم والبیہقی فی السنن عن ابی سلامۃ۔

مگر اس زیادت کے یہ معنی ہیں کہ خدمت میں باپ پر ماں کو ترجیح دے۔ مثلاً سو روپے ہیں اور کوئی وجہ خاص مانع تفضیل مادر نہیں تو باپ کو پچیس دے ماں کو پچہتر، یا ماں باپ دونوں نے ایک ساتھ پانی مانگا تو پہلے ماں کو پلائے پھر باپ کو، یا دونوں سفر سے آئے ہیں پہلے ماں کے پاؤں دبائے پھر باپ کے۔ وعلی ہذا القیاس نہ یہ کہ اگر والدین میں باہم تنازع ہو تو ماں کا ساتھ دے کر معاذ اللہ باپ کے درپے ایذا ہو یا اس پر کسی طرح درشتی کرے، یا اسے جواب دے، یا بے ادبانہ آنکھ ملا کر بات کرے یہ سب باتیں حرام اور اللہ عزوجل کی معصیت ہیں۔ اور اللہ تعالٰی کی معصیت میں نہ ماں کی اطاعت نہ باپ کی تو اسے ماں باپ میں کسی کا ایسا ساتھ دینا ہرگز جائز نہیں۔ وہ دونوں اس کے جنت و نار ہیں جس سے ایذا دے گا دوزخ کا مستحق ہوگا۔ والعیاذ باللہ تعالٰی! معصیت خالق میں کسی کی اطاعت نہیں اگر مثلاً ماں چاہتی ہے کہ باپ کو کسی طرح کا آزار پہنچائے اور یہ نہیں مانتا تو وہ ناراض ہوتی ہے ہونے دے اور ہرگز نہ مانے ایسے ہی باپ کی طرف سے ماں کے معاملہ میں ان کی ایسی ناراضیاں کچھ قابل لحاظ نہ ہوں گی کہ یہ ان کی نری زیادتی ہے کہ اس سے اللہ تعالٰی کی نافرمانی چاہتے ہیں بلکہ ہمارے علمائے کرام نے یوں تقسیم فرمائی ہے کہ خدمت میں ماں کو ترجیح ہے جس کی مثالیں ہم لکھ آئیں اور تعظیم باپ کی زائد ہے کہ وہ اس کی ماں کا بھی حاکم و آقا ہے۔

عالمگیری میں ہے: "اذا تعذر علیہ جمع مراعاۃ حق الوالدین بان یتاذی احدہما بمراعاۃ الآخر یرجح حق الاب فیما یرجع الی التعظیم و الاحترام وحق الام فیما یرجع الی الخدمۃ والانعام وعن علاء الائمۃ

الخیاطی قال مشائخنا رحمھم اللہ تعالٰی الاب یقدم علی الام فی الاحترام و الام فی الخدمۃ حتی لودخلا علیہ فی البیت یقوم للاب و لوسئلا منہ ماء ولم یاخذ من یدہ احدھما فیبدأ بالام کذا فی القنیۃ۔"

اور اسی میں ج ۱۰ ص ۱۹۵ پر ہے:

"بالجملہ والدین کا حق وہ نہیں کہ انسان اس سے کبھی عہدہ برآ ہو وہ اس کے حیات و وجود کے سبب ہیں تو جو کچھ نعمتیں دینی دنیوی پائے گا سب انہیں کے طفیل میں ہوئیں کہ ہر نعمت وکمال وجود پر موقوف ہے اور وجود کے سبب وہ ہوئے تو صرف ماں باپ ہونا ہی ایسے عظیم حق کا موجب ہے جس سے بری الذمہ کبھی نہیں ہوسکتا نہ کہ اس کے ساتھ اس کی پرورش میں ان کی کوششیں اس کے آرام کے لئے ان کی تکلیفیں خصوصا پیٹ میں رکھنے پیدا ہونے دودھ پلانے میں ماں کی اذیتیں ان کا شکر کہاں تک ادا ہوسکتا ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ وہ اس کے لئے اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سائے اور ان کی ربوبیت و رحمت کے مظہر ہیں۔لہٰذا قرآن عظیم میں اللہ جل جلالہ نے اپنے حق کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا کہ: "ان اشکر لی ولوالدیک" حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔حدیث میں ہے:

ایک صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حاضر ہوکر عرض کی یارسول اللہ! ایک راہ میں ایسے پتھروں پر کہ اگر گوشت ان پر ڈالا جاتا کباب ہوجاتے، میں چھ میل تک اپنی ماں کو اپنی گردن پر سوار کرکے لے گیا ہوں۔کیا اب اس کا حق میرے اوپر سے ادا ہوگیا؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "لعلہ ان یکون بطلقۃ واحدۃ" تیرے پیدا ہونے میں جس قدر دردوں کے جھٹکے اس نے اٹھائے ہیں شاید ان میں ایک جھٹکے کا بدلہ ہو سکے۔رواہ الطبرانی فی الاوسط عن بریدۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ اللہ عزوجل عقوق سے بچائے اور ادائے حقوق کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمین، اٰمین برحمتک یا ارحم الراحمین و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

سیدنا و مولانا محمد و اٰلہ وصحبہ اجمعین اٰمین و الحمد للہ رب العٰلمین واللہ تعالٰی اعلم انتہی۔

ان احادیث کریمہ کے علاوہ اور بہت ساری حدیثیں ماں باپ کے متعلق ہیں بقدر کفایت مذکور ہوئے۔اللہ غفور رحیم عزیز کریم جل جلالہ صدقہ اپنے حبیب رؤف رحیم علیہ وعلی الہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا ہم سب مسلمانوں کو نیکیوں کی توفیق دے، گناہوں سے بچائے! حقوق العباد و حقوق الوالدین و حقوق اساتذہ و حقوق علماء و حقوق صلحاء و حقوق عوام و خواص و حقوق ازواج و حقوق اولاد کے بجاآوری کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائے۔ اٰمین ثم اٰمین یا رب العٰلمین و الحمد للہ رب العٰلمین و افضل الصلوات و اکمل التسلیمات علی سید المرسلین و اٰلہ و اصحابہ واجمعین۔

(۲) اگر فی الواقع زید کے حالات ایسے ہی ہیں جیسا استفتاء میں مذکور ہوئے تو ضرور سخت فسق و فجور میں مبتلاء زید اپنے والد اور بھائی بھابی سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگے اور گناہوں سے توبہ کرے ساتھ دینے والے حضرات بھی گناہوں پر مدد کرنے سے باز آئیں، توبہ کریں۔قرآن شریف میں ہے: "ولاتعاونوا علی الاثم و العدوان۔" واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

فقیہ السلف حامی سنت ماحی کفر و ضلالت و منبع علم و حکم، جامع معقولات و منقولات پیر طریقت شیر نیپال استاذ العلماء حضرت العلام مولانا مفتی محمد جیش صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ فیوضکم دائما۔

بعد آداب و تسلیمات!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں (۱) قضا عمری پڑھنے کا کیا طریقہ ہے۔مع ترتیب ارسال کریں تحریر فرمائیں۔

المستفتی: محمد کوثر علی برکاتی

مدرسہ اصلاح المسلمین بیج ناتھ پارا رائے پور، مدھیہ پردیش

۹۲/۷۶۸

الجواب بعون الملک الوھاب: (۱) قضائے عمری کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً اندازہ لگائیں کہ کتنی نمازیں قضا ہیں۔ مثلاً اس سال کی قضا ہے تو سال کے تین سو پچپن ۳۵۵ دن ہوتے ہیں۔ اور ہر دن کے نماز کی قضا بیس رکعتیں ہیں فجر کی دو فرض ظہر و عصر و عشاء کی چار چار فرض اور مغرب کی تین فرض اور تین وتر واجب کل بیس ہوئے اس کی نیت یوں کیجئے۔ نیت کی میں نے پہلی فجر جو مجھ سے قضا ہوئی یا پہلی ظہر جو مجھ سے قضا ہوئی یا پچھلی فجر جو مجھ سے قضا ہوئی یا پچھلی ظہر جو مجھ سے قضا ہوئی وقس علی ہذا اسی طرح ادا کرتے رہیں یہاں تک کہ کوئی نماز ذمہ میں نہ رہ جائے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔**

۹/۴/۱۴۱۳ھ یوم الاربعاء ماہ فاخر ربیع الآخر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مزار شریف میں نماز پڑھنا کیسا ہے اس میں جگہ کی بہت تنگی ہے دائیں اور بائیں صرف تین ہاتھ جگہ ہے اس جگہ میں نماز جائز ہے کہ نہیں؟

المستفتی: محمد امان اللہ

دارالعلوم تیغیہ، چاند پور فتح پور، ضلع ویشالی (بہار)

الجواب بعون الملک الوھاب: اگر قبر مواجہت میں نہ پڑے تو پڑھ سکتے ہیں یعنی قبر نمازی کے آمنے سامنے نہ ہو تو پڑھنے میں حرج نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔**

یوم الاحد ۱۳/ربیع الغوث ربیع الآخر ۱۴۱۲ھ

باب الاذان والاقامۃ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں:

(۱) اذان مسجد کے اندر دینا کیسا ہے؟ اور خارج مسجد دینا جب کہ اذان مائک پر ہوتی ہے یا خارج مسجد امام کے سامنے کہنا درست ہے اور یہ کب سے رائج ہوئی اس کا ثبوت قرآن وحدیث اور اقوال ائمہ مجتہدین وفقہائے کرام کی روشنی میں مدلل و مفصل خلاصہ تحریر فرمائیں گے۔

(۲) تکبیر واقامت کے وقت کھڑا رہنا چاہئے یا بیٹھ کر خاموشی سے سننا چاہئے اگر بیٹھ کر تکبیر سنیں تو کب اور کس وقت کھڑا ہو؟ اور یہ کب سے رائج ہوا؟ فقط والسلام

المستفتی: (۱) محمد تسلیم سیٹھ سربراہ اعلیٰ (۲) خزانچی محمد نصیر الدین صاحب (۳) ممبر محمد یونس انصاری، موڑا ہیر موچن پور، پوسٹ مالپور ہوا یا چندپٹی مظفر پور

۱۲/۷/۱۹۹۲ء

۹۲/۷۶۸

الجواب بعون الملک الوھاب: (۱) اذان مائک سے ہو یا بلا مائک خارج مسجد ہی مسنون ہے اور اندرون مسجد خلاف سنت ومکروہ یہی حکم خطبہ کی اذان کا بھی ہے اس میں زائد یہ ہے کہ خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے خارج مسجد ہو۔ بعض جگہوں میں یہ اذان منبر کے پاس ہی داخل مسجد رواج پڑ گیا ہے اس کا کوئی ثبوت کسی کتاب میں نہیں ہے، حدیث وفقہ دونوں کے خلاف ہے۔

تفسیر روح البیان جلد نہم پارہ ۲۸ میں ہے:

"اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد۔"

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب خطبہ کے لئے منبر پر تشریف رکھتے

تو آپ کا مؤذن مسجد کے باہر مسجد کے دروازہ پر آذان کہتا۔

اسی میں ہے:

"ثم کان ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما علی ذلک۔"

یعنی پھر حضرت سیدنا امیر المومنین ابوبکر صدیق و سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی عمل اسی پر تھا کہ آپ کے دور خلافت میں بھی خطبہ کی اذان مسجد کے دروازہ پر ہوتی رہی بلکہ حضرت عثمان غنی اور حضرت علی شیر خدا کے زمانہ میں بھی اسی پر عمل رہا۔

تفسیر خازن جلد رابع "**اذا نودی للصلوۃ**" کے تحت ہے:

"فثبت الامر علی ذلک۔"

یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں خطبہ سے پہلے ایک اور اذان کا اضافہ ہوا جو مقام زوراء پر قریب مسجد ہوا کرتی تھی اور اذان کا معاملہ اسی پر مستمر ہو گیا۔

اور صاوی شریف جلد چہارم ص ۱۴۷ پر ہے:

اور ابوداؤد شریف جلد اول ص ۱۷۱ پر ہے:

"عن السائب بن یزید قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد و ابی بکر و عمر"۔ یعنی جب حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر جلوہ گر ہوتے تو آپ کے آمنے سامنے بیرون مسجد مسجد کے دروازہ پر اذان پکاری جاتی تھی ایسا ہی حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ہوا پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بھی اسی طرح عمل ہوتا رہا۔

فتح القدیر ج ۱ ص ۲۱۵ پر ہے:

"لکراھۃ الاذان فی داخلہ۔" یعنی داخل مسجد اذان مکروہ ہے۔

بدائع ص ۱۴۹ اور ۱۵۲ اور ردالمحتار ۲۸۳ سے بھی یہی ثابت کہ اذان مسجد کے

باہر ہو۔ عالمگیری جلد اول ص ۲۹ پر ہے:

"و ینبغی ان یؤذن علی المئذنۃ او خارج المسجد و لا یؤذن فی المسجد۔" یعنی اذان منذنہ پر ہو یا مسجد کے باہر ہو مسجد کے اندر نہ ہو۔ تفاسیر و احادیث و کتب فقہ سے یہی ثابت ہے اس سے زیادہ تفصیل درکار ہو تو فتاویٰ رضویہ جلد دوم اور فتاویٰ برکات حصہ اول کا مطالعہ کریں۔

یہ وہم کہ مائک پر اذان ہوتی ہے اور آواز ہر جگہ پہنچ جاتی ہے تو مسجد کے باہر سے دیں یا اندر دیں سب برابر ہے۔ اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک گاؤں میں یا شہر چند مسجد ہوتی تو سب جگہ اذان کیا ضرور کیا ایک ہی مائک کی اذان سب جگہ پہنچ جاتی ہے یہی کافی ہر مسجد کے لئے الگ الگ اذان کیوں؟ اگر اس کا جواب یہ ہو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ سے اب تک ہر مسجد کے لئے الگ الگ اذان پکاری گئی ہے تو ہم بھی کہیں گے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور اقدس سے لے کر اب تک اذان مسجد کے باہر ہی پکارنا حدیث و فقہ سے ثابت لہذا اذان مسجد کے باہر ہی ہونی چاہئے اور یہی سنت ہے۔ **واللہ اعلم بالصواب و الیہ المرجع والمآب۔**

(۲) اقامت کے وقت بیٹھے تکبیریں سنیں اس وقت کھڑا رہنا مکروہ ہے اور خلاف سنت۔ بخاری شریف ج ۱ ص ۸۸ و مسلم شریف ج ۱ ص ۲۲۰ و ابوداؤد شریف ج ۱، ص ۹۲ نسائی شریف ج ۱ ص ۱۱۱، مشکوٰۃ ج ۱ ص ۶۴ میں ہے: **"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوۃ فلا تقوموا حتی ترونی۔"** حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اقامت ہو تو کھڑے نہ ہونا جب تک مجھے دیکھ نہ لو۔ اسی کی شرح عینی میں ج ۵ ص ۱۵۴ پر ہے کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ **"یقوموا فی الصف اذا قال حی علی الصلوۃ"** یعنی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ و امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد گرامی

ہے کہ نمازی حی علی الصلوۃ کے وقت صف میں کھڑے ہوں۔ ترمذی شریف ج ١، ص ٦٧ میں ہے: "**و قد کرہ قوم من اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و غیرھم ان ینظر الناس الامام وھم قیام۔**" یعنی صحابہ کرام کے اہل علم کی جماعت اور ان کے علاوہ دیگر حضرات کھڑے کھڑے تکبیر سنے اور کھڑے ہو کر امام کے انتظار کو مکروہ گردانا ہے اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لمعات ج ١، ص ٣٢١ میں فرمایا ہے کہ "فقہاء کا قول ہے کہ نمازی بوقت تکبیر حی علی الصلوۃ پر کھڑے ہوں۔ شرح وقایہ ج ١، ص ١٣٦ پر ہے: "**یقوم الامام والقوم عند حی علی الصلوۃ۔**" یعنی بوقت اقامت امام ومقتدی کو حی علی الصلوۃ پر کھڑا ہونا چاہئے فتاوی عالمگیری ج ١، ص ٢٩ پر ہے: "**یکرہ لہ الانتظار قائما۔**" یعنی اقامت کے وقت کھڑا رہنا مکروہ ہے۔

بالا بیان سے خوب عیاں ہو گیا کہ بوقت اقامت بیٹھا رہنا حدیث و فقہ کے مطابق ہے اور حی علی الصلوۃ پر کھڑا ہونا کتب حنفیہ معتبرہ مشہورہ سے ثابت اور شروع اقامت سے کھڑا رہنا احادیث کریمہ کی مخالفت و کراہت۔ **و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

(١) زید سنی صحیح العقیدہ نے اپنی لڑکی غیر مقلد وہابی کے نکاح میں دیدیا اس سے ایک بچہ پیدا ہو کر بچے کا انتقال ہو گیا اس بچے کا جنازہ ایک سنی امام نے قصداً پڑھایا۔ اب اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور اس امام پر شرعاً کیا حکم نافذ ہوتا ہے؟ کہ دوکان سے وہابی دیوبندی کا ذبیحہ گوشت خرید کر کھانا کیسا ہے؟

(٢) وہابی، دیوبندی اور جو قصداً کھاتا ہے اس پر کیا حکم ہے؟

(٣) سنی امام کسی وہابی یا دیوبندی کا نکاح سنی لڑکی کے ساتھ پڑھائے جب

کہ قصداً ہو تو کیا ہے؟ سوالات مذکورہ کا جواب مدلل بقرآن وحدیث وفقہ دے کر مشکور فرمائیں۔

٩٢/٧٦٨

الجواب بعون الملک الوھاب: (١) وہابیت و دیوبندیت کفر و ارتداد ہے اور کافر و مرتد سے نکاح باطل اور خالص زنا اور زنا سے پیدا ہونے والا ولد حرام ولد زنا اور نا سمجھ بچہ اپنے ماں باپ کے تابع، ماں باپ کافر و مشرک تو یہ بھی انہیں کے حکم میں اور کافر و مرتد کا جنازہ حرام حرام حرام بلکہ کفر و ارتداد ہاں اگر بچہ کی ماں اب تک سنیہ ہے وہابیت اختیار نہ کیا ہے اور نہ وہابیت کو اچھا کہتی ہے تو گرچہ وہابی کے ساتھ اختلاط حرام و زنا مگر بچہ کو ماں سنیہ کے تابع مان کر اس کا جنازہ پڑھنا جائز کہ "**الاسلام یعلو ولا یعلی**" کے پیش نظر اولاد خیر الابوین کے تابع ہوتی ہے۔

اول صورت میں امام پر توبہ تجدید ایمان و نکاح ضروری اور جب تک توبہ و تجدید نہ کرے اس کی امامت جائز نہیں اور اس کے پیچھے نماز باطل اور جتنی پڑھی سب کا اعادہ فرض اور دوسری صورت میں کوئی الزام نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔**

(٢) دونوں فرقہائے باطلہ سے ہیں دونوں کا ذبیحہ مردار و نجس ناپاک اور اس کا کھانا ناجائز و حرام اور کھانے والے اور اس کے خریدار مثل خنزیر کے خریدار۔ **العیاذ باللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم!**

ایسے شخص پر توبہ فرض اور توبہ نہ کرنے کی صورت میں مسلمانوں پر مقاطعہ ضروری ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔**

(٣) ایسا شخص لائق امامت نہیں کہ اگر اس نے ان کے عقائد کفریہ سے آگاہ ہو کر مسلمان مانا اور مسلمان سمجھ کر نکاح پڑھایا تو خود اس کا ایمان و نکاح گیا اور اگر کافر سمجھتا ہوا پڑھایا تو زنا کا دلال اور فاسق معلن دونوں صورتوں میں مستحق امامت نہیں اور جن لوگوں نے دانستہ نادانستہ اس کے پیچھے نمازیں پڑھیں ان کا اعادہ ضروری ہے

"ذلك كلها مستفاد من آيات القرآن و احاديث رسول الرحمن و اقوال فقهاء الاسلام و كتب الائمة ذو الاحترام۔ و الله و تعالى اعلم بالصواب۔

۲۳/ ۱۲/ ۱۴۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ بکرایک محلہ میں جو ۲۵ رسال سے ہےاور وہ محلہ صرف ۲۵ گھر کا ہے جہاں نہ جمعہ نہ عیدین کی نماز ہوتی تھی ایسی جگہ پر وہاں کے لوگ تین مرتبہ عیدین پڑھتے ہیں امام صاحب نہیں ہے پھر بقرعید کی نماز پڑھنی ہے وہاں پر دوسرے امام نماز پڑھانے کے لئے تیارنہیں ہے۔لہٰذا ایسی جگہ نمازعیدین و جمعہ پڑھنا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔عین کرم ہوگا!

المستفتی: محمد شہادت علی

گھرکولی ہریون وارڈ-۱،ضلع سرلاہی (نیپال)

۶۸ / ۷ / ۹۲

الجواب بعون الملك الوهاب: عیدین و جمعہ کی نماز دیہات میں عند الاحناف مشروع نہیں جمعہ کے بدلے وہاں ظہر پڑھیں ورنہ شہر میں جا کر جمعہ وعیدین ادا کریں۔ وہاں نہ جمعہ پڑھیں اور نہ عیدین کی نمازیں۔ **والله تعالىٰ اعلم بالصواب۔**

۸/ ۱/ ۱۴۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں:

(۱) جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر منبر کے قریب دی جائے یا خارج مسجد منبر کے سامنے مسجد کے دروازے پر دی جائے؟

(۲) رسول اکرم اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسیدنا صدیق اکبرو سیدنا عمر فاروق اعظم و سیدنا عثمان غنی و سیدنا علی مرتضی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ادوار طیبہ میں اذان خطبہ مسجد کے اندر منبر کے قریب ہوتی تھی یا خارج مسجد منبر کے سامنے مسجد کے دروازے پر ان حضرات کے ادوار طیبہ میں کبھی بھی مسجد کے اندر منبر کے سامنے خطبہ کی اذان ہوئی؟

(۳) کیا سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقام زورا پر اذان ثانی کے اضافہ کے بعد اذان خطبہ کو مسجد کے اندر منبر کے قریب دلوائی؟

(۴) مسجد کے اندر اذان دینے کو فقہائے کرام نے مطلقا اگر مکروہ لکھا ہے تو حدیث وفقہائے کرام کے تصریحات کے خلاف رسم و رواج کا خیال کرتے ہوئے خطبہ کی اذان مسجد کے اندر منبر کے قریب کہنے والوں پر حکم شرع کیا ہے؟ نیز **بين يدی** سے مراد مسجد کے اندر ہے یا باہر؟

برائے کرم حدیث و فقہ کی روشنی میں حوالے کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں۔اور عند اللہ ماجور ہوں۔

المستفتی: محمد مطیع الرحمن اشرفی المصباحی

ادوم جامعہ غوثیہ سمستی پور (بہار)

الجواب بعون الملك الوهاب: (۱) یوم جمعہ مبارکہ اذان خطبہ خطیب کے آمنے سامنے بیرون مسجد دروازۂ مسجد پر حضور پرنور سید عالم سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہوتی رہی اسی طرح خلیفۂ اول امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خلیفۂ دوم امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوتی رہی اسی طرح وقت خطبہ کی اذان حضرت خلیفۂ سوم سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خلیفۂ چہارم حضرت علی شیر خدا امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ مبارک میں خارج مسجد دروازۂ مسجد پر ہوتی رہی ہاں حضرت

عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد پاک میں اذان خطبہ سے پہلے بھی ایک اذان کا اضافہ مقام زوراء پر مسلمانوں کی کثرت کے باعث ہوا اور اس پر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا اجماع بھی ہو گیا۔ کسی نے اختلاف نہیں کیا کیوں کہ ان کے سامنے یہ حدیث شریف تھی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی اھ" تمہیں میری سنت کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنتوں کے مطابق عمل کرنا ہے۔ ابوداؤد شریف جلد اول ص ۱۶۲ پر سائب ابن یزید سے مروی ہے: "قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد و ابی بکر و عمر۔" یعنی جب رسول خدا ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما جمعہ کے دن منبر پر جلوس فرماتے تو آمنے سامنے بیرون مسجد دروازۂ مسجد پر اذان پکاری جاتی تھی۔ صاوی علی الجلالین جلد چہارم ص ۲۴۲ پر ہے: "اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد فاذا نزل اقام الصلوٰة ثم کان ابوبکر و عمر و علی بالکوفة علی ذلک حتی کان عثمان و کثر الناس و تباعدت المنازل زاد اذانا آخر فامر بالتاذین اولا علی دارہ التی تسمی بالزوراء فاذا سمعوا اقبلوا حتی جلس علی المنبر اذن المؤذن ثانیا و لم یخالف احد فی ذلک الوقت لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی اھ۔"

ان احادیث کریمہ سے روز روشن کی طرح روشن ہے کہ اذان خطبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے عہد پاک میں خارج مسجد دروازہ پر ہوتی رہی اور ہم مسلمانوں پر ہے کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلفاء کی سنت پر عمل کریں۔ ان دلائل کے علاوہ فقہ کی کتب کثیرہ مشہورہ معتبرہ سے یہ بات ثابت ہے کہ اذان بیرون مسجد ہو اور اندرون مسجد مکروہ۔ فتح القدیر ج ۱ ص

۲۱۵، اسی فتح القدیر کے باب الجمعہ ص ۲۹، بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۴۹ و ص ۱۵۲، رد المحتار ص ۲۸۳، حاشیہ ہدایہ ص ۷۲، و حاشیہ مؤطا امام محمد ص ۱۳۸، عالمگیر ج ۱ ص ۲۹ سے ظاہر و باہر کہ اذان مسجد کے اندر نہ کہ اندرون مسجد اذان مکروہ ہے فتح القدیر میں اس پر نص ہے فرماتے ہیں: "وھو ذکر اللہ فی المسجد ای فی حدودہ لکراھة اذان فی داخلہ۔"

(۲) سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین مہدیین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ خیر القرون میں اذان بیرون مسجد دروازۂ مسجد پر ہوتی رہی اندر کبھی نہ ہوتی جو اندر ہونے کا دعویٰ کرے دلیل وہ دے۔

(۳) سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں خطبہ کی اذان باہر سے اندر آ گئی اس کا ثبوت کہیں نہیں صرف خارج مسجد زوراء پر اضافہ کا ثبوت ہے۔ اندر کا مدعی مفتری ہے اس پر توبہ ہے۔

(۴) ایسا شخص تارک سنت ہے اور کراہت بدعت سیہ کا مرتکب اور کراہت تحریم ہو تو مرتکب گنہگار اور چند بار اس کا ارتکاب کبیرہ ظاہر یہی ہے گناہ کیسا بھی ہو مسلمانوں کو اس سے بچنا ہی چاہئے بلکہ کراہت تنزیہی سے بھی بچے تو اس میں امن ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب و الیہ المرجع و المآب۔ رسم و رواج کو ترک کر دینا ضروری ہے جب حکم شرعی، حدیث و فقہ اس کے خلاف ہو اور بین یدی کا مطلب صرف سامنے ہے۔ اس کا مطلب نہ اندر ہے، اور نہ باہر۔

۲۷/۵/۱۴۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں کہ زید عالم ہے اور اہل سنت کی جامع مسجد کا خطیب و امام ان کے دور کے رشتہ کی پھوپھی ہندہ ہے جس کی شادی دیوبندی خاندان میں ہو گئی اس کا شوہر دیوبندی، اس کے بچے دیوبندی

ہیں مگر بندہ کا عقیدہ معلوم نہیں وہ رحلت کر گئی اس کی نماز جنازہ زید نے پڑھائی وہی زید بیوی کی باتوں پر والدہ کو مارتا بھی ہے اور نماز فجر کبھی کبھی اتفاقیہ پڑھ لیتا ہے۔ از روئے شرع زید پر کیا حکم نافذ ہوتا ہے؟ آیا اس کی اقتداء میں نماز درست ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں

المستفتی: الحاج محمد بدر الحق، بتا پر بیہار بیتامڑھی، بہار (الہند)

۹۲/۷۶۸

الجواب: بعون الملك الوهاب: صورت مستفسرہ میں زید نہ لائق خطابت ہے نہ قابل امامت کہ وہ فاسق فاجر مرتکب کبائر عاق ہے اور اسے سخت عذاب وغضب الٰہی کا استحقاق ماں باپ کی نافرمانی اللہ جبار و قہار کی نافرمانی ہے اور ماں باپ کی ناراضی اللہ قہار و جبار کی ناراضی ہے آدمی ماں باپ کو راضی کرے تو وہ اس کی جنت ہیں اور ناراض کرے تو وہی اس کے دوزخ ہیں۔ جب تک ماں باپ کو راضی نہ کرے گا اس کا کوئی فرض کوئی نفل کوئی عمل نیک اصلاً قبول نہ ہوگا۔ عذاب آخرت کے علاوہ دنیا ہی میں جیتے جی سخت بلا نازل ہوگی مرتے وقت معاذ اللہ! کلمہ نصیب نہ ہونے کا خوف ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "طاعة الله طاعة الوالد ومعصية الله معصية الوالد." اللہ کی اطاعت ہے والد کی اطاعت اور اللہ کی معصیت ہے والد کی معصیت۔ رواه الطبراني عن ابي هريرة رضي الله عنه.

دوسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "رضاء الله في رضاء الوالد وسخط الله في سخط الوالد." اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے۔ اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں۔ رواه الترمذي عن عبد الله ابن عمرو رضي الله عنهما.

تیسری حدیث میں ہے: "هما جنتك ونارك." ماں باپ تیری جنت اور

تیری دوزخ ہیں۔ رواه ابن ماجه عن ابي امامة رضي الله تعالى عنه.

چوتھی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "ثلثة لا يدخلون الجنة العاق لوالديه والديوث والرجلة من النساء." تین شخص جنت میں نہ جائیں گے ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا اور دیوث اور وہ عورت کہ مردانہ وضع بنائے۔ رواه النسائي عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما.

پانچویں حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "كل الذنوب يوخر الله منها ماشاء الى يوم القيمة الا عقوق الوالدين فان الله يعجله لصاحبه في الحيٰوة قبل المماة." سب گناہوں کی سزا اللہ تعالیٰ چاہے تو قیامت کے لئے اٹھا رکھتا ہے مگر ماں باپ کی نافرمانی کہ اس کی سزا جیتے جی پہنچاتا ہے۔ رواه الحاكم عن ابي بكرة رضي الله تعالى عنه.

چھٹی حدیث میں ہے ایک جوان نزع میں تھا اسے کلمہ تلقین کرتے تھے نہ کہا جاتا تھا یہاں تک کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور فرمایا کہہ "لا اله الا الله" عرض کی نہیں کہا جاتا معلوم ہوا کہ ماں ناراض ہے اسے راضی کیا تو کلمہ زبان سے نکلا۔ رواه الامام احمد عن عبد الله ابن اوفى رضي الله تعالى عنه.

ساتویں حدیث میں ہے ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: "سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم اى الناس اعظم حقا على المرأة قال زوجها قلت فاى الناس حقا على الرجل قال امه." یعنی میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی عورت پر سب سے بڑا حق کس کا ہے؟ فرمایا اس کی ماں کا۔ رواه البزار۔

آٹھویں حدیث میں ہے: "جاء رجل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله من احق الناس بحسن صحابتي قال امك قال

ثم من قال امك ثم من قال امك قال ثم من قال ابوك۔" ایک شخص نے خدمت اقدس حضور پرنور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ میں حاضر ہوکر عرض کی یا رسول اللہ سب سے زیادہ کون اس کا مستحق ہے کہ میں اس کے ساتھ نیک رفاقت کروں؟ فرمایا تیری ماں، عرض کی پھر؟ فرمایا تیری ماں، عرض کی پھر؟ فرمایا تیری ماں۔ پھر؟ فرمایا تیرا باپ۔ رواہ الشیخان۔

نویں حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اوصی الرجل بامہ اوصی الرجل بامہ اوصی الرجل بامہ اوصی الرجل بابیہ۔" میں آدمی کو وصیت کرتا ہوں اس کی ماں کے حق میں وصیت کرتا ہوں اس کی ماں کے حق میں وصیت کرتا ہوں اس کی ماں کے حق میں وصیت کرتا ہوں اس کے باپ کے حق میں۔ رواہ الامام احمد عنہ۔

دسویں حدیث میں ہے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضر ہوکر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک راہ میں ایسے پتھروں پر کہ اگر گوشت ان پر ڈالا جاتا کباب ہو جاتے میں نے چھ میل تک اپنی ماں کو اپنی گردن پر سوار کر کے گیا ہوں۔ کیا میں اب اس کے حق سے ادا ہو گیا؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "لعلہ ان یکون بطلقۃ واحدۃ۔" تیرے پیدا ہونے میں جس قدر دردوں کے جھٹکے اس نے اٹھائے ہیں شاید ان میں ایک جھٹکے کا بدلہ ہو سکے۔ رواہ الطبرانی عن بریدۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

و قال تعالیٰ: "فلا تقل لھما اف و لا تنھرھما و قل لھما قولا کریما۔ الخ" ماں باپ کو اف نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا اور ان کے لئے عاجزی کا بازو بچھا نرم دلی سے اور عرض کر کہ اے میرے رب تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے بچپنے میں پرورش فرمائی۔ اس کے تحت خزائن العرفان میں ہے۔ حدیث میں ہے والدین کا فرمانبردار جہنمی نہ ہوگا اور ان کا

نافرمان کچھ بھی عمل کرے گرفتار عذاب ہوگا۔ اور ایک حدیث میں ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا والدین کی نافرمانی سے بچو اس لئے کہ جنت کی خوشبو ہزار برس کی راہ تک آتی ہے اور نافرمان وہ خوشبو نہ پائے گا، نہ قاطع رحم، نہ بوڑھا زناکار نہ تکبر سے اپنی ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا۔ قال تعالیٰ: "ان اشکرلی و لوالدیك" شکر بجالا میرا اور اپنے ماں باپ کا۔ و قال تعالیٰ: "ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا۔" ہم نے تاکید کی آدمی کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کی۔

ان احادیث کریمہ اور آیات قرآنیہ سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ فرض ہے اور ایذا دینا حرام قطعی۔ زید پر فرض ہے اپنی ماں سے معافی مانگنا اور خوش کرنا اور بالا بیان سے یہ بھی واضح ہوا کہ ماں کا حق باپ کے حق سے زیادہ ہے فقہا فرماتے ہیں کہ ماں باپ دونوں نے ایک ساتھ پانی مانگا تو پہلے ماں کو پلائے پھر باپ کو، یا دونوں سفر سے آئے ہیں پہلے ماں کے پاؤں دبائے پھر باپ کا وعلی ہذا القیاس سو روپے ہیں تو ماں کو پچھتر دے اور باپ کو پچیس خداوند کریم توفیق دے شخص مذکور فی السوال کو مقتدی کی نماز جنازہ نہ پڑھانی چاہئے اور پڑھائی تو توبہ کرے بعد توبہ صادقہ تا صلاح حال نہ امامت کر سکتا ہے اور نہ کسی دینی منصب پر فائز ہونے کے لائق ہے۔ ہاں جب اس کا حال مرجع فتویٰ و تقویٰ کے نزدیک درست ہو جائے۔ ماں کو ایذا دینا ترک کردے شرع کا پابند ہو جائے اور صحیح القرأت ہو تو امامت کر سکتا ہے اور کسی دینی منصب پر فائز بھی ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جمعہ مبارکہ ۱۴/۶/۱۴۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

زید چند لوگوں کے سامنے اپنے گھریلو بات چیت کر رہا تھا کسی معاملہ میں زید کی

والدہ نے کہا کہ مرغی صاحب تو بولو اس پر زید غصہ ہوکر والدہ سے کہا کہ حرام زادی پچاس جوتا ماریں گے تو اس جملہ سے زید پر شرع کا کیا حکم نافذ ہوگا۔ زید کی اقتدا میں نماز درست ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبد المصطفیٰ محمود عالم نوری

مدرس مدرسہ نور العلوم رضا چوک، کما

الجواب بعون الملك الوهاب: شخص مذکور فاسق و فاجر اور مرتکب کبائر ہے کہ ماں باپ کی نافرمانی اللہ عزوجل کی نافرمانی اس پر توبہ اور ماں سے معافی مانگ کر راضی کرنا فرض ہے۔ جب تک ایسا نہ کرے اس کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ اور پڑھ لی تو اعادہ واجب۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ فتاویٰ رضویہ جلد دوم نصف اول میں فرماتے ہیں کہ: "جب تک ماں باپ کو راضی نہ کرے گا اس کا کوئی فرض، کوئی نفل، کوئی عمل نیک اصلاً قبول نہ ہوگا عذاب آخرت کے علاوہ دنیا ہی میں جیتے جی سخت بلا نازل ہوگی مرتے وقت معاذ اللہ کلمہ نصیب نہ ہوگا خوف ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "طاعة الله طاعة الوالد معصية الله معصية الوالد" دوسری حدیث میں ہے: "رضاء الله في رضاء الوالد و سخط الله في سخط الوالد" تیسری حدیث میں ہے: "هما جنتك و نارك" ماں باپ تیری جنت تیری دوزخ ہیں ملخصا۔ اسی میں ہے: "ثلثة لا يدخلون الجنة العاق لوالديه و الديوث و الراجلة من النساء" تین شخص جنت میں نہ جائیں گے ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا اور دیوث اور وہ عورت کہ مردانی وضع بنائے۔ اسی میں ہے: "ثلثة لا يقبل الله عز و جل منهم صرفا و لا عدلا عاق و منان و مكذب بقدر" تین شخصوں کا کوئی فرض و نفل اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا عاق اور صدقہ دے کر احسان جتانے والا اور ہر نیکی اور بدی کو تقدیر الٰہی سے نہ ماننے والا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "كل الذنوب يؤخر الله منها

ماشاء الى يوم القيمة الا حقوق الوالدين فان الله يعجله لصاحبه في الحيٰوة قبل الممات" سب گناہوں کی سزا اللہ تعالیٰ چاہے تو قیامت کے لئے اٹھا رکھتا ہے مگر ماں باپ کی نافرمانی کہ اس کی سزا جیتے جی پہنچاتا ہے۔ احادیث مذکورہ بالا سے روز روشن کی طرح روشن ہوگیا کہ ماں باپ کی تذلیل و توہین کرنے والا بارگاہ خداوندی میں بہت مبغوض ہے اور اس کی کوئی عبادت مقبول نہیں تو اس کے پیچھے نماز پڑھنی کس طرح روا ہوگی وہ شخص جلد از جلد توبہ کرے معافی مانگے اور ماں کو راضی کرے ورنہ قہر قہار اور غضب جبار میں جلد ہی مبتلا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

محمد حبیش صدیقی برکاتی ۲۲/۴/۱۴۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید مولوی کو ایک شادی شدہ لڑکی سے محبت ہوگئی اس کے زنا سے ہندہ حاملہ ہوگئی۔ گاؤں کے لوگوں کو خبر ہوئی چون و چرا ہونے لگا وہ مولوی زید غیر مطلقہ ہندہ کو چھپ کر کورٹ لے جا کر کورٹ سے شادی کیا۔ اور اب تک ہندہ کو اس کے شوہر نے جواب نہیں دیا۔ اور یہ مولوی ایک جگہ پڑھاتا ہے۔ لوگ اس کی اقتدا میں نماز پڑھتے ہیں۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسے مولوی سے بچوں کو پڑھانا، لکھانا اس کی صحبت میں بچوں کو دینا از روئے شرع کیا حکم رکھتا ہے؟ اس کے پیچھے نماز پڑھنا، اس کی عزت کرنا، ایسے کو کھانا کھلانا ایسے فاتحہ پڑھوانا، ذبح کرانا اور ایسے کو تنخواہ دینا کیسا ہے؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد شفیع مدرس مدرسہ اہل سنت فیض القرآن بگلماوارڈ۔ ۴، تھانہ جشی، ضلع دھنوشا (نیپال)

الجواب بعون الملك الوهاب: شخص مذکور فی السوال زنا کار حرام کار مستحق غضب جبار و عذاب نار ہے شوہر دار غیر مطلقہ سے نکاح حرام اشد حرام جس

طرح آدمی پر اس کی ماں، بیٹی، بہن حرام ہے اسی طرح غیر مطلقہ حرام۔ قرآن شریف پارہ چہارم میں ہے: "**حرمت علیکم امھٰتکم وبنٰتکم واخواتکم الی قولہ عزوجل والمحصنٰت من النساء**" حرام ہوئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور حرام ہوئیں شوہر دار عورتیں۔ آیت کریمہ سے ثابت کہ ماں، بہن، بیٹی سے نکاح حلال نہیں اسی طرح غیر مطلقہ سے نکاح حلال نہیں جس طرح ماں، بہن، بیٹی سے نکاح باطل اسی طرح شوہر دار عورت سے نکاح باطل۔ اس طرح کا بے معنی نکاح نکاح نہیں۔ خالص زنا ہے، دونوں زانی وزانیہ ہیں گے اور جھوٹا نام نکاح کا کچھ فائدہ نہ دے گا۔ زنا، زنا ہی رہے گا۔ دونوں پر فرض ہے کہ فوراً جدا ہو جائیں ہندہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائے خدائے قہار کے غضب سے ڈر کر دونوں اپنے ان کبیرہ گناہوں سے توبہ کریں۔ اسلامی حکومت ہوتی تو توبہ پر ہی بس نہیں کیا جاتا بلکہ عورت کو سنگسار کیا جاتا۔ پتھر مار مار کر مار دیا جاتا اور زید کو بھی، اگر شادی شدہ تھا اس کی بھی یہی سزا، ورنہ سو کوڑے۔ **قال تعالیٰ: الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ الخ**۔" یعنی بدکار مرد و عورت کو سو کوڑے لگاؤ اور ان بدکاروں پر ترس نہ کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے دین میں مضبوط اور متصلب رہو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور سزا کے وقت مسلمانوں کی جماعت حاضر رہے۔

بالا بیان سے واضح ہو گیا کہ زید نام کا مولوی فسق و فجور میں مبتلا فاسق و فاجر مرتکب کبیرہ مستحق عذاب نار و قہر قہار لائق ذلت و رسوائی ہے جوتے لات کا آدمی ہے۔ اس کو مسجد کا امام بنانا، مکتب میں استاذ بنانا، عزت کی جگہ بٹھانا اپنے ساتھ اٹھانا بیٹھنا سب حرام حرام حرام سخت حرام اشد حرام ایسے شدید ترین فاسق کو امام بنانا گناہ، اس کے پیچھے نماز پڑھنا گناہ، بچوں کو اس سے پڑھوانا گناہ۔ **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ!** مسلمانوں کو چاہئے ہرگز ہرگز اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں اگر پڑھ لی اعادہ کریں۔ ایسے کو امام بنانے والے گنہگار ہوں گے۔ غنیہ شرح منیہ میں ہے: "**لو قدموا فاسقا یاثمون**"۔ اگر اس برائے نام مولوی نے اپنے نکاح کو حلال سمجھا، حلال جانا تو اس کا معاملہ سرحد کفر تک پہنچا کافر ہوا کہ حرمت قطعیہ کو حلال جانا اس کے پیچھے نماز محض باطل مسلمانوں پر لازم کہ جب تک وہ اپنے اس ناپاک فعل سے باز نہ آئے عورت کو جدا نہ کر دے نئے سرے سے تجدید اسلام نہ کرے۔ اس کے پاس نہ بیٹھیں، نہ کھائیں۔، نہ کھلائیں خوف کریں کہ اس کی آگ انہیں بھی نہ پھونک دے۔ **قال اللہ تعالیٰ: "فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظٰلمین۔" وقال تعالیٰ: "واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خآصۃ"** اللہ ہدایت دے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۱۲/۴/۱۴۲۲ھ

☆☆☆

کتاب الجنائز

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ

۱۔ رسول پاک ﷺ کو بعد وصال غسل کس نے دیا؟

۲۔ قبر منور کس نے کھودی؟

۳۔ قبر انور میں کس نے اتارا؟

۴۔ غسل واجب اتارنے کے لئے دیا گیا تھا یا کیا غسل جنابت تھا اگر غسل جنابت نہیں تھا تو وجہ غسل کیا ہے؟

۵۔ رسول پاک کے جنازے کی نماز میں یہی دعائے ماثورہ پڑھی گئی تھی جو ان دنوں پڑھی جاتی ہے؟

۶۔ قبر کے سوالات کیا اسی امت کے لئے خاص ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو حضور کی حیات میں یا قبل یہی سوالات ہوتے تھے یا کیا؟

۷۔ کیا نماز میں حضور یہی تشہد پڑھتے تھے جو ہم پڑھتے ہیں؟

المستفتی: محمد زاہد مدرس مدرسہ جے نگر

۹۸۔۳۔۱۲ اشب آدینہ

الجواب بعون الملک الوھاب وھو الموفق بالصواب

جواب (۱): غسل حضرت امیر المومنین امام الواصلین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے دیا کما قال القاضی ابو الفضل عیاض ابن موسیٰ الیحصبی الاندیسی فی الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال غسلت النبی ﷺ (شفا شریف ج اول ص ۴۱)

واخرج ابن سعد والبیہقی عن الشعبی قال غسل علی النبی ﷺ

(خصائص کبریٰ جزء ثانی ص ۲۷۵)

اسی کتاب مستطاب کے ص ۲۷۶ پر ہے واخرج البیہقی عن علباء ابن احمر قال کان علی والفضل یغسلان رسول اللہ ﷺ

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع تالیف الامام علاء الدین ابی بکر ابن مسعود الکاسانی الملقب بملک العلماء المتوفی ۵۸۷ھ کے ص ۳۰۱ پر مسطور ہے

روی ان النبی ﷺ لما توفی غسله علی والعباس والفضل ابن العباس وصالح مولیٰ رسول ﷺ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ غسل کی سعادت حضرت علی اور حضرت عباس اور فضل ابن عباس وصالح رسول اللہ کے غلام نے حاصل کی رضی اللہ عنہم۔

تواریخ حبیب الٰہی کے ص ۱۴۱ پر ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے غسل دیا۔

سیرت رسول عربی میں ہے کہ غسل حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے دیا اور حضرت عباس وفضل ابن عباس پہلو بدلنے میں مددگار رہے تھے اور قثم ابن عباس اور اسامہ اور شقران رضی اللہ عنہم پانی ڈال رہے تھے۔

جواب (۲): قبر انور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کھودی (الجزء الثانی من الخصائص الکبریٰ للشیخ الامام العلامۃ ابی الفضل جلال الدین عبد الرحمٰن ابن ابی بکر السیوطی قدس سرہ العزیز) حیث قال رضی اللہ عنہ فی ص ۲۷۹ واخرج احمد وابن سعد والبیہقی عن ابن عباس قال لما ارادوا ان یحفر والرسول اللہ کان بالمدینۃ رجلان ابو عبیدۃ یضرح (۱) وابو طلحۃ یلحد فدعا العباس رجلین فارسل احدھما الی ابی عبیدۃ والاخر الی ابی طلحۃ قال اللھم خر لرسولک فوجد ابو طلحۃ فجاء فلحد له

اورتواریخ حبیب الٰہ ص ۱۴۱ پر بھی قبر کھودنے کی نسبت حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہی جانب ہے۔

جواب (۳): قبر اطہر میں حضرت علی مشکل کشا اور حضرت فضل ابن عباس اور حضرت قثم ابن عباس اور حضرت شقران رضی اللہ عنہم نے اتارنے کا شرف حاصل کیا۔

حجة الله على العالمين فى معجزات سيد المرسلين ﷺ ص ۱۱۷ پر ہے

وقال ابراهيم ابن سعد قال ابن اسحٰق وكان الذين نزلوا فى قبر رسول الله ﷺ على ابن ابى طالب والفضل بن عباس وقثم بن العباس وشقران مولى رسول الله ﷺ

بعض کتابوں میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اتارنے کا بھی ذکر ہے۔

جواب (۴): اطيب الطيبين اطهر الطاهرين سيد المتطهرين شفيع المذنبين کا غسل شریف تطہیر کے لئے نہیں تھا۔ ردالمحتار ص ۲۳۲ پر ہے وغسله ﷺ ليس للتطهير لانه ﷺ كان طاهرا حياً وميتاً اور بدائع کے ص ۳۰۰ پر ہے:

و اما بيان كيفية الغسل فنقول يجرد الميت اذا اريد غسله عندنا و قال الشافعى رحمه الله تعالىٰ لا يجرد بل يغسل وعليه ثوبه استدلالاً بغسل النبى ﷺ حيث غسل فى قميصه ولنا ان المقصود من الغسل هو التطهير و معنى التطهير لا يحصل بالغسل وعليه الثوب لتنجس الثوب بالغسلات التى تنجست بما عليه من النجاسات الحقيقية و تعذر عصره او حصوله بالتجريد ابلغ بذالك لعظم حرمته فانه روى انهم لما قصدوا ان ينزعوا قميصه قبض الله السنة عليهم

فما فيهم احد الا ضرب ذقنه على صدره حتى نودوا من ناحية البيت لا تجردوا نبيكم روى غسلوا نبيكم وعليه قميصه فدل انه كان مخصوصاً بذالك ولا شركة لنا فى خصائصه ولان المقصود من التجريد هو التطهير وانه ﷺ كان طاهراً حتى قال على رضى الله عنه حين تولى غسله طبت حياً وميتاً اه و هكذا فى فتح القدير ص ۱، و الكفاية ص ۲، والعناية ص ۳، و هكذا فى خصائص الكبرىٰ و حجة الله على العالمين باختلاف العبارات لكن مفهومها واحد.

حضور پرنور ﷺ کا جسد اقدس تو پاک ہر حال میں ہے حالت حیات ہو یا حالت وفات علماء وفقہاء نے اس کی تصریح فرمائی بلکہ آپ کے خون، فضلات اور وہ نطفے جس سے آپ کی پیدائش ہوئی سب پاک اور طیب و طاہر ہیں جس کا اکل و شرب امتوں کے لئے جائز و حلال ہی نہیں بلکہ باعث برکت و رحمت ہے۔

مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات تالیف شیخ امام محمد مہدی الفاسی کے ص ۹۰ پر ہے:

واما اسمه ﷺ طاهر فهو الطاهر فى نفسه حساً و معنىً المنزة عن كل مالا يناسب على منصبه و الطهارة النظافة و النقاء النزاهة والخلوص من العيب اما الطهارة الحسية فكل شئى منه ﷺ وقد نص العلماء على طهارة النطفة التى تكون منها ﷺ و نصوا ايضاً على ان جسده الطاهر الشريف خارج عن خلاف الذى فى طهارة الجسد الآدمى بعد الموت ونصو ايضاً على طهارة جميع فضلاته و تمامه فى الكتاب و اما اسمه ﷺ طيب فلا ريب انه ﷺ اطيب الطيبين ولا اطيب منه وحسبك ان عرقه كان اطيب الطيب وكان اذا دخل الخلاء انشقت الارض وابتلعت ما يخرج منه وشمت من مكانه رائحة

المسك ولم يطلع علیٰ ما يخرج منه بشر قط وشربت ام ايمن وغيرهاً بوله ﷺ غلطاًفما وجدت له طعم البول وقد شرب دمه عبد الله ابن زبير رضى الله تعالىٰ عنهما فتضوع فمه مسكا وبقيت رائحته فی فيه الی ان قتل وقد شرب دمه غير واحد واستدلوا بتقريره لهم علی ذالك علی طهارة فضلاته وعدوا ذالك فی خصائصه ﷺ الخ وكان لا يتسخ له ثوبه لانه كان لا يبد ومنه الا طيب وقد قال الفقهاء من قال ان ثوب النبی ﷺ وسخ يريد بذالك عيبه قتل كفراً لاحداً انتهی ملتقطاً و كذا فی الشفاء الشريف والخصائص الكبریٰ وغيرهما باختلاف الالفاظ۔

اور شرح دلائل الخیرات کے ص ۱۱۴ پر حضرت شارح علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

فانه من ماء طيب طاهر ولم يتنجس ولم يتدنس قط

اور اشعۃ اللمعات شریف شرح مشکوٰۃ شریف ص ۲۰۷ پر حضرت شیخ عبد الحق عارف باللہ برکت مصطفیٰ فی الہند امام المحدثین حامل لواء الحق والدین فرماتے ہیں:

آوردہ اند کہ شخصے از تشنگان ناوانستہ بگمان آب بول آنحضرت ﷺ را از ان قدح بخوردہ تا زندہ بود بوئے خوش از اندام وے یافتہ می شد یا چند پشت در اولادِ او نیز موجود بود۔

اب رہی یہ بات کہ جب آنحضرت ﷺ طیب وطاہر ہر حال میں ہیں تو غسل کس واسطے دیا گیا تو میں کہوں گا اس کے اسباب بہت ہو سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے غسل شریف کرامۃً ہو یا عالم برزخ میں تشریف لے جانے کے لئے ہو یا موت کے طاری ہونے کی وجہ سے ہو جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے غسل کے بارے میں رد المحتار ص ۶۲۹ پر ہے تغسیل آدم علیہ السلام موت کی وجہ سے تھی یا غسل ادائے حقوق کے لئے ہو یا چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو آنحضرت نے وصیت فرمائی تھی جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا اوصانی النبی ﷺ لا يغسله غيری۔ (شفا شریف ص ۴۲)

اس کی بجا آوری کے لئے ہو غسل شرع شریف میں ہر طرح کی پاکی کے باوجود مشروع ہے جیسے غسل مسنون نماز جمعہ مبارکہ و عیدین و احرام و جبل عرفہ میں اور غسل مندوب مجنون کے لئے جب افاقہ ہو، مغمی علیہ کے لئے اور حجامت کے بعد اور شب برائت و شب عرفہ اور مزدلفہ میں یوم نحر کو دخول منیٰ کے وقت رمی کے لئے دخول مکہ شریف کے وقت طواف زیارت کے لئے، نماز کسوف و خسوف کے لئے اور استسقاء و فزع و ظلمت اور ریح شدید کے واسطے ایسا ہی دخول مدینہ شریف کے لئے اور میلاد شریف کے مجمع میں جانے کے لئے نیا کپڑا پہننے کے واسطے میت کے غسل کے بعد اور گناہ سے توبہ کرنے والوں کے لئے سفر سے واپس ہونے کے لئے وضو پر وضو اسی قبیل سے ہے کہ مقصود تحصیل طہارت نہیں۔

یا ہو سکتا ہے تغسیل حدیث ملٰئکہ علیہم السلام پر عمل کرنے کی بنیاد پر ہو۔ جیسا کہ فتح القدیر کے ص ۶۹ پر یہ حدیث پاک روشن ہے فلما حضره الموت نزلة الملٰئكة بحنوطه و كفنه من الجنة فلما مات عليه السلام غسلوه بالماء و السدر ثلاثا و جعلوا فی الثالثة كافورا و كفنوه فی وتر من الثياب وحفروا له لحداً وصلوا عليه وقالوا هذه سنة ولد آدم من بعده اور کفایہ کے ص ۶۹ پر ہے غسل الميت شريعة ماضية لما روی ان آدم عليه السلام لما قبض نزل جبريل بالملٰئكة عليهم السلام و غسلوه وقالوا لولده هذه سنة موتاكم

یا اس لئے غسل دیا گیا تھا کہ غسل دینا واجب ہے زندوں پر جیسا کہ عنایہ کے ص ۶۹ پر امام محقق حافظ مدقق اکمل الدین محمد ابن محمد البابرتی م ۷۸۶ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے وهو واجب علی الاحياء بالاجماع اور وجوب غسل کے سبب کے بارے میں ارشاد فرمایا واختلفوا فی سبب وجوب الغسل فقيل انماً وجب لحدث يحل باسترخاء المفاصل لا لنجاسة تحل به فان الآدمی لا

ینجس بالموت کرامۃ اذلو تنجس لما طہر بالغسل کسائر الحیوانات وکان الواجب الاقتصار فی الغسل علی اعضاء الوضوء کما فی حال الحیاۃ لکن ذلک انما کان نفیاً للحرج فیما تیکرر کل یوم والحدث بسبب الموت لا یتکرر فکان کالجنابۃ لا یکتفی فیہا بغسل الاعضاء الاربعۃ بل یبقی علی الاصل وھو وجوب غسل جمیع البدن لعدم الحرج ھکذا فی الکفایۃ وفتح القدیر ورد المحتار

یا غسل مکلف سے وجوب کو ساقط کرنے کے لئے ہو نہ تحصیل طہارت کے لئے ہو جیسا کہ فتح القدیر میں ہے:

عن ابی یوسف فی المیت اذا اصابہ المطر وجری علیہ الماء لا ینوب عن الغسل لانا امرنا بالغسل انتہی ولانا لم نقض حقہ بعد و قالوا فی الغریق یغسل ثلاثاً فی قول ابی یوسف وعن محمد فی روایۃ ان نوی الغسل عند الاخراج من الماء یغسل مرتین وان لم ینو فثلاثاً۔

فتح القدیر کی ان مذکورہ عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اگرچہ سبب غسل نہ پایا جائے پھر بھی میت کو غسل دیا جائے گا۔ طہارت کے لئے نہیں بلکہ اپنا حق ادا کرنے کے لئے ۔یہی زیادہ قرین قیاس اور اوضح معلوم ہوتا ہے رد المحتار ص ۱۰۶ پر منقول عن القہستانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ انبیائے کرام کا وضو کسی طرح نہیں جاتا۔

عبارت یہ ہے لا نقض من الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

لیکن اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی تحقیق ہے کہ نواقض حکمیہ سے نہیں جاتا اور نواقض حقیقیہ سے ان کی عظمت شان کے سبب جاتا رہتا ہے۔ فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۱۰۴

اقول: موت نواقض حکمیہ سے ہے جیسا کہ کفایہ عنایہ فتح القدیر کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔ ان مذکورہ بالا دلائل و براہین سے اظہر من الشمس وابین من الامس ہو

گیا کہ سید الطاہرین والطیبین امام المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا غسل شریف نہ کسی حدث سے نہ کسی جنابت سے عام میتوں کا غسل بھی جنابت کے سبب نہیں ہے بلکہ استرخاء مفاصل کی وجہ سے ہے اور جنابت کا یہاں تو کوئی معنی نہیں ہے۔

ہدایہ ص ۵۳ پر ہے

الجنابۃ فی اللغۃ خروج المنی علی وجہ الشھوۃ

اور فتح القدیر ص ۵۶ پر ہے

الجنابۃ متوقف علی خروج المنی ظاہراً او حکماً

اور بدائع ص ۳۶ پر ہے

خروج المنی عن شھوۃ دفقاً

اور کفایہ ص ۵۳ پر ہے

الجنابۃ حالۃ تحصل عند خروج المنی علی وجہ الشھوۃ

اور فتح القدیر میں الجنابۃ قضاء الشھوۃ بالانزال

کفایہ ص ۶۹ پر عام آدمیوں کے بارے میں ہے

والآدمی لا ینجس بالموت کرامۃ لہ ولکن یصیر محدثاً لان الموت سبب لاسترخاء المفاصل وزوال العقل قبل الموت وانہ حدث فکان یجب ان یکون مقصوراً علی اعضاء الوضوء کما فی حالۃ الحیاۃ الا ان القیاس فی حالۃ الحیاۃ غسل جمیع البدن فی الحدث کما فی الجنابۃ فاکتفی بغسل الاعضاء الاربعۃ نفیاً للحرج لانہ یتکرر فی کل یوم والجنابۃ لما لم تتکرر لم یکتف بغسل الاعضاء الاربعۃ فکذا الحدث بسبب الموت لا یتکرر فلا یودی غسل جمیع البدن الی الحرج فاخذنا بالقیاس.

جواب (۵): جنازہ کی یہ مشہور و معروف دعا نہ پڑھی گئی نہ کوئی امام بنے

بلکہ مرد وزن اور بچے اور غلام سب کے سب نے فرداً فرداً گروہ گروہ حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔

خصائص کبرائی جلد ثانی ص ۲۷۶ پر ہے

عن ابن عباس قال لما مات رسول الله ﷺ ادخل الرجال فصلوا عليه بغير امام ارسالاً حتى فرغوا ثم ادخل النساء فصلين عليه ثم ادخل الصبيان فصلوا عليه ثم ادخل العبيد فصلوا عليه ارسالاً لم يؤمهم على رسول الله ﷺ احد۔

وعن سهل ابن سعد قال لما ادرج رسول الله ﷺ فى اكفانه وضع على سريره ثم وضع على شفير حفرته ثم كان الناس يدخلون عليه رفقاً رفقاً لا يؤمهم احد۔

عن ابن مسعود قال لما ثقل رسول الله ﷺ قلنا من يغسلك يا رسول الله قال رجال من اهل بيتى الادنى فالادنى مع ملائكة كثيرة يرونكم من حيث لا ترونهم قلنا من يصلى عليك قال اذا غسلتمونى وحنطتمونى و كفنتمونى فضعونى على سريرى هذا على شفير قبرى ثم اخرجوا عنى ساعة فان اول من يصلى على جبريل ثم ميكائيل ثم اسرافيل ثم ملك الموت مع جنود من الملئكة ثم ليصل على اهل بيتى ثم ادخلوا على افواجا وفرادى قلنا من يدخلك قبرك قال اهلى مع ملئكة كثيرين يرونكم من حيث لا ترونهم وعن على ان رسول الله ﷺ لما وضع على سريره قال على لا يقوم عليه احد هو امامكم حياً وميتاً فكان يدخل الناس رسلا رسلا فيصلون عليه صفاً صفاً ليس لهم امام يكبرون و يقولون السلام عليك ايها النبى ورحمة الله و بركاته اللهم انا نشهد ان قد بلغ ما انزل اليه نصح لامته و جاهد فى

سبيل الله حتى اعز الله دينه ونصح لامته وجاهد فى سبيل الله وتمت كلمته اللهم فاجعلنا ممن يتبع ما انزل اليه وثبتنا بعده واجمع بيننا وبينه فيقول الناس آمين آمين حتى صلى عليه الرجال ثم النساء ثم الصبيان۔

عن ابى حازم المدنى ان النبى ﷺ حين قبضه الله دخل المهاجرون فوجاً فوجاً يصلون عليه ويخرجون ثم دخلت الانصار على مثل ذلك ثم اهل المدينة حتى اذا فرغ الرجال دخلت النساء۔

اور حجۃ اللہ علی العالمین کے ص ۱۰۷ پر ہے

لما كفن رسول الله ﷺ ووضع على سريره دخل ابو بكر و عمر فقالا السلام عليك ايها النبى ورحمة الله وبركاته و معهما نفر من المهاجرين والانصار قدر مايسع البيت فسلموا كما سلم ابو بكر و عمر وصفوا صفوفاً لا يؤمهم عليه احد رواه ابن سعد فى الطبقات عن الواقدى۔

اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جنازہ اقدس پر نماز کے باب میں علماء مختلف ہیں ایک کے نزدیک یہ نماز معروف نہ ہوئی بلکہ لوگ گروہ در گروہ حاضر آتے اور صلاۃ سلام عرض کرتے اور بہت علماء یہی نماز معروف مانتے ہیں کہ جب تک سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست حق پرست پر بیعت نہ ہوئی تھی لوگ فوج فوج آتے اور جنازۂ انور پر نماز پڑھتے جاتے جب بیعت ہو لی ولی شرعی صدیق ہوئے۔ انہوں نے جنازۂ مقدس پر نماز پڑھی پھر کسی نے نہ پڑھی۔ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۵۴ لیکن اس باب میں سب کا اتفاق ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ پر درود سلام ہی عرض کئے گئے یہ دعائے مشہور نہیں پڑھی گئی۔

جواب (۲): ہاں سوال اسی امت کے لئے خاص ہے۔ یہ بھی سب کے لئے

نہیں علامہ فقیہہ فہامہ نبیہ خاتمۃ المحققین شیخ محمد امین شہیر با بن عابدین فرماتے ہیں:

نقل العلقمی فی شرحہ علی الجامع الصغیر ان الراجح ایضاً اختصاص السوال بھذہ الامۃ خلافا لما استظھرہ ابن القیم ونقل ایضاً عن الحافظ ابن حجر العسقلانی ان الذی یظھر اختصاص السوال بالمکلف وقال تبعہ علیہ شیخنا یعنی الحافظ السیوطی ثم ذکر ان من لا یسئل ثمانیۃ الشھید والمرابط والمطعون والمیت زمن الطاعون بغیرہ اذا کان صابراً محتسباً والصدیق والاطفال والمیت یوم الجمعہ اولیلتھا والقاری کل لیلۃ تبارک الملک وبعضھم ضم الیھا السجدۃ والقاری فی مرض موتہ قل ھو اللہ احد اھ واشار الشارح الی انہ یزاد الانبیاء علیھم الصلوۃ والسلام لانھم اولی من الصدیقین وقال فی الدر المختار والاصح ان الانبیاء لا یسئلون ولا اطفال المومنین وقال فی رد المحتار فقد ذکر الحافظ ابن عبد البر ان الآثار دلت علی انہ لا یکون الا لمومن او منافق ممن کان منسوبا الی اھل القبلۃ بظاھر الشھادۃ دون الکافر الجاحد وتعقبہ ابن القیم لکن ردعلیہ الحافظ السیوطی وقال ما قالہ ابن عبد البر ھو الارجح ولا اقول سواہ۔

رہا یہ کہ حضور پرنور سید عالم نور مجسم ﷺ کی حیات طیبہ میں یہی سوالات ہوئے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں یہ سوالات ہوتے تھے جیسا کہ ظاہر احادیث سے پتہ چلتا ہے مشکوۃ شریف ص ۲۵ پر ہے عن البراء بن عازب عن رسول اللہ ﷺ قال یاتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولان لہ من ربک فیقول ربی اللہ فیقولان لہ مادینک فیقول دینی الاسلام فیقولان ما ھذا لرجل الذی بعث فیکم فیقول ھو رسول اللہ ﷺ۔

جواب (۷): ہاں یہی تشہد پڑھتے تھے جیسا کہ فتح القدیر ص ۲۷۴ پر عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: قالت ھذا تشھد النبی ﷺ التحیات للہ والصلوت الخ اور مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح تالیف رئیس المفسرین امام المحدثین علامہ علی ابن سلطان محمد القاری رحمہ اللہ الباری کے جلد اول ص ۵۵۷ پر ہے: والمعقول ان تشھدہ علیہ السلام کتشھدنا و اما قول الرافعی المعقول انہ ﷺ کان یقول فی تشھدہ اشھد انی رسول اللہ فردود بانہ لا اصل لہ قال الغزالی فی الاحیاء۔ اور عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری تالیف شیخ امام علامہ بدر الدین ابی محمد محمود ابن احمد عینی المتوفی ۸۵۵ھ جلد ششم ص ۱۱۳ اما حدیث عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فاخرجہ البیھقی فی سننہ عن القاسم عنھا قالت ھذا تشھد النبی ﷺ التحیات للہ۔

لیکن درمختار ص ۳۷۷ میں ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام تشہد میں انی رسول اللہ پڑھتے تھے اور ردالمحتار میں اس کو رد کیا ہے فرماتے ہیں: نقل ذالک الرافعی من الشافعیہ وردہ الحافظ ابن حجر فی تخریج احادیثہ بانہ لا اصل لذالک بل الفاظ التشھد متواترۃ عنہ ﷺ کان یقول اشھد ان محمداً رسول اللہ وعبدہ ورسولہ۔

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں جواب دینے کی زحمت فرمائیں:

(۱) سنی حنفی مذہب کے اعتقاد والی ہندہ کا انتقال ہوگیا جنازہ کی نماز پڑھانے کے وقت ہندہ کے لڑکا نے سنی مولوی بکر سے کہا جنازہ کی نماز کے بارے میں کیا مسئلہ ہے؟ کون پڑھائے گا کیا یہ مسئلہ ہے کہ خاندان میں اگر پڑھاتے تو خاندان والا پڑھائے ہمارے خاندان میں پڑھاتے سنی مولوی بکر نے کہا ہاں یہ مسئلہ ہے کہ

خاندان کا پڑھاے عمرو تو عمرو کا پڑھانا افضل ہے لیکن عمرو وہابی ہے بکر کو پڑھانے کے وقت ہندہ کا لڑکا نہیں کہا کہ بکر پڑھائے اپنے خاندان کے بھائی عمرو کو کہا عمرو ہی نے پڑھایا۔ سنی مولوی بکر نے اور بہت سنی لوگوں نے بھی عمرو وہابی کے پیچھے ہندہ کی جنازہ کی نماز پڑھی۔ اب پڑھنے کے بعد اعتراض ہوا کہ وہابی کے پیچھے بکر نے نماز جنازہ کیوں پڑھی؟ بکر نہیں پڑھتا تو ہم لوگ بھی نہیں پڑھتے۔ اب بکر کا کہنا ہے مسئلہ میں نے دیکھا ہے خاندان والا پڑھائے یہ تو مسئلہ میں نہیں ہے کہ خاندان کا پڑھاو ہابی ہو تو نماز جنازہ نہیں ہوگی۔ اب جو شریعت کا حکم ہوگا اس پر عمل کریں گے۔ کتنے کو تو مسئلہ سے واقفیت نہیں جہالت کی وجہ سے وہابی عمرو کے پیچھے پڑھ لیا۔ اب شریعت کا حکم وہابی کے پیچھے نماز جنازہ پڑھنے والوں پر کیا ہے؟ اور کیسے فیصلہ کیا جائے کہ تنازع ختم ہو جائے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد عباس درزی جدوکو بابازار، دھنوشا (نیپال)

۷ رذوالحجہ ۱۴۱۲ھ

۸۶ / ۷ / ۹۲

الجواب بعون الملک الوہاب: استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ وہابی کسی لائق نہیں اس کی اقتدا جائز نہیں جو لوگ دانستہ شریک جنازہ ہوئے وہ سب توبہ و تجدید اسلام و تجدید نکاح کریں اور جو اس کے عقائد کفریہ سے آگاہ نہ تھے مگر جانتے تھے کہ وہ وہابی ہے اس پر بھی توبہ فرض ہے کہ حرام کے مرتکب ہوئے جنازہ کی نماز کوئی بھی سنی صحیح العقیدہ عاقل بالغ غیر فاسق پڑھا سکتا۔ ہاں حق تقدم اول بادشاہ اسلام کو، یا پھر قاضی کو پھر امام جمعہ کو پھر امام محلہ کو پھر ولی فلہذا نماز جنازہ کی امامت بادشاہ یا قاضی یا امام جمعہ کرے تو یہ افضل ہے ولی کی امامت سے، اور انہیں ولی سے اجازت کی حاجت نہیں۔ تنویر الابصار ج ۱ ص ۶۲۹ میں ہے: "ویقدم فی الصلوٰۃ علیہ السلطان او نائبہ

ثم القاضی ثم امام الحی ثم الولی۔" اور درمختار میں ہے: "وفی الدرایۃ امام المسجد الجامع اولی من امام الحی الی مسجد محلتہ نہر بالایان۔" سے یہ بھی عیاں ہو گیا کہ وہ سنی مولوی بکر جاہل ہے کہ بے علم فتویٰ دیا مسئلہ بتایا اور سخت ظالم ہے کہ اپنے بھی گنہگار رہنا اور دوسروں کو بھی گنہگار کیا یہ ظالم مولوی بھی توبہ کرے اور تجدید اسلام اور تجدید نکاح اس پر فرض تھا کہ ایسی نماز سے جدا ہو جاتا اور اعلان کرتا کہ وہابی کے پیچھے نماز نہیں ہوتی الگ ہو جاؤ اور جو وہابی ہو جاتا وہ خاندان کا بہتین رہ جاتا وہ خود اس کی نماز پڑھاتا یا پڑھتا اور اس کی اقتدا نہ کرتا بہر صورت سب پر توبہ فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۸ رذوالحجہ ۱۴۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ہندہ کی نانی کا انتقال بروز منگل بمقام لوٹھوا ہوئی وہاں کے مولوی نے ہندہ کی نانی کا جنازہ پڑھایا جنازہ کی نماز میں بلند آواز سے سورۂ فاتحہ وسورۂ کافرون وسورۂ الاخلاص وسورۂ الفلق و سورۃ الناس ودعا سب بلند آواز سے پڑھا۔

اب علمائے دین قرآن وحدیث سے ارشاد کریں کہ جنازہ کی نماز ادا ہوئی یا نہیں؟ یا پھر سے جنازہ کی نماز پڑھی جائے؟ تین تکبیر اللہ اکبر کہا۔ فقط

نیاز احمد نہر نیال

مورخہ ۱۳ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

(۱) محمد اسلام (۲) حنیف (۳) عبدالغنی (۴) محمد محیط (۵) محمد ادریس

الجواب بعون الملک الوہاب ومنہ الہدایۃ والرشاد: اس علاقہ میں اس طریقے پر نماز جنازہ غیر مقلد وہابی پڑھتے ہیں اور وہ خارج از اسلام ہیں اور جو اسلام سے خارج ہو اس کی نماز نماز نہیں۔ اگر کوئی مسلمان قابل امامت بھی اس

صورت سے نماز پڑھتا تو نماز نہ ہوتی کہ جنازہ میں چار مرتبہ تکبیر فرض اور رکن ہے کہ ایک تکبیر بھی اگر کوئی چھوڑے گا تو نماز نہ ہوگی۔ درمختار ص ۱۲۴ میں ہے: "و رکنھا شیأن التکبیرات الاربع والقیام" یعنی نماز جنازہ میں دو رکن ہے۔ چار بار اللہ اکبر کہنا اور قیام نماز جنازہ میں قرآن بنیت قرآن، یا تشہد پڑھنا منع ہے اور بنیت دعا و ثناء الحمد وغیرہ آیات دعائیہ و ثنا پڑھنا جائز ہے۔ درمختار کی عبارت سے معلوم ہوا کہ تکبیر چار ہیں اور اس شخص نے تین کی اس لئے نماز جنازہ نہیں ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین ان مسائل میں کہ (۱) عیدگاہ کے اندر جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں بحوالہ کتب جواب عطا فرمائیں۔

(۲) جس رومال میں آب وضو پوچھا گیا اس پر یا اس کے ساتھ نماز ادا کرنا کیسا ہے؟ دونوں سوالوں کا جواب مدلل و مفصل مرحمت فرمائیں۔ کرم ہوگا! بینوا و توجروا.

المستفتی: الحاج محمد منیر عالم، مقام بھارسر، ضلع سراہی (نیپال)

۲۶/ ۳/ ۱۴۱۷ھ

۶۸/ ۹۲

الجواب: بعون الملک الوھاب: (۱) عیدگاہ کے اندر جنازہ پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص ۳۹۱ پر ہے: "لاتکرہ فی مسجد اعدلھا و کذا فی مدرسۃ و مصلی عید لانہ لیس لھا حکم المسجد فی الاصح الا فی جواز الاقتداء وان لم تتصل الصفوف کذا فی امیر حاج و الحلبی۔" اور عالمگیری ج ۱ ص ۵۷ پر ہے: "و اختلفوا فی مصلی العید و الجنازۃ الاصح لایاخذ حکم المسجد۔" اور درمختار ج ۱؟

ص ۳۹۶ پر ہے: "و اما المتخذ لصلاۃ جنازۃ او عید فھو مسجد فی حق جواز الاقتداء وان فصل الصفوف رفقا بالناس لا فی حق غیرہ بہ یفتی نھایۃ۔" اور رد المحتار ج ۱ ص ۲۵۳ پر ہے: "روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما نعی النجاشی الی اصحابہ خرج فصلی علیہ فی المصلی۔"

اور بخاری شریف میں ج ۱ ص ۱۶۷ پر ہے: "عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعی النجاشی فی الیوم الذی مات فیہ و خرج الی المصلی فصف بھم و کبر اربعا۔"

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شاہ حبشہ کی وفات کی خبر اسی روز دی جس روز ان کی وفات ہوئی اور اپنے اصحاب کے ساتھ عیدگاہ تشریف لے گئے اور صف بندی کر کے چار تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ حضرت نجاشی کی ادا فرمائی۔

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۶۷۷ پر باالا حدیث شریف ترجمہ میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "از ابی ہریرہ است کہ آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) خبر داد مردم را بمرگ نجاشی کہ بادشاہ حبشہ بود و بر دین نصاری بود پس ایمان آورد بہ آنحضرت و ہجرت کردند صحابہ (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) نزد وے و خدمتہا کردایشان را و نجاشی لقب بادشاہ حبشہ است و نام این نجاشی اصحمہ بود و مشہور در نجاشی فتح نون و تخفیف جیم و تخفیف یا ست۔ پس چوں در حبشہ مرد آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بمردم خبر داد از مردن وے ہمان روزے کہ مرد نجاشی دراں روز و بیرون آمد آنحضرت با مردم بسوئے مصلائے عید پس صف بست بمردم و تکبیر برآورد چہار تکبیر (متفق علیہ)۔

کتب مذکورہ مشہورہ معتبرہ متداولہ طحطاوی، فتاویٰ عالمگیری، درمختار، فتاویٰ شامی، اشعۃ اللمعات محدث دہلوی اور بخاری شریف سے ظاہر و باہر کہ نماز جنازہ عیدگاہ اسی طرح مدرسہ اسی طرح مسجد جنازہ میں بلا کراہت جائز و روا صحیح و درست

ہے۔ ہاں مسجد جماعت میں نماز جنازہ بلاعذر ضرور ممنوع و مکروہ۔ عالمگیری ج ۱، ص ۸۵ پر ہے: "وصلوۃ الجنازۃ فی المسجد او کان المیت خارج المسجد و القوم فی المسجد۔" اور در مختار ج ۱ ص ۲۵۲ پر ہے: "و کرھت تحریماً و قیل تنزیھا فی مسجد جماعۃ۔" پھر اسی میں ج ۱، ص ۲۵۴ پر ہے: "انما تکرہ فی المسجد بلا عذر فان کان فلا و من الاعذار المطر کما فی الخانیۃ و الاعتکاف کما فی المبسوط۔" اور عالمگیری میں اسی مذکورہ صفحہ پر ہے: "و لاتکرہ بعذر المطر و نحوہ ھکذا فی الکافی و تکرہ فی الشارع و اراضی الناس کذا فی المضمرات اما المسجد الذی بنی لاجل صلوۃ الجنازۃ و لاتکرہ فیہ کذا فی التبیین۔"

ان عبارات فقہیہ سے واضح ہوا کہ مسجد جامع اور مسجد محلہ مسجد جماعت میں بلا عذر نماز جنازہ مکروہ ہے اور بارش وغیرہ کے عذر کے باعث ہو تو کراہت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

(۲) ایسے کپڑوں میں نماز یا ایسے رومال پر نماز یا اس کے ساتھ نماز خلاف اولی ہے۔ اور اس کا ترک اولی۔ الاشباہ و النظائر کتاب الصلاۃ ص ۱۱۱-۱۱۲ پر ہے: "الاولی ان لا یصلی علی مندیل الوضوء الذی یمسح بہ۔" اور عالمگیری ج ۱، ص ۵۵ پر: "و تکرہ الصلوۃ فی ثیاب البذلۃ کذا فی معراج الدرایۃ۔" اور ردالمحتار ج ۵، ص ۲۵۶ پر ہے: "و تکرہ الصلاۃ مع الخرقۃ التی یمسح بھا العرق و یوخذ بھا المخاط لا لانھا نجسۃ بل لان المصلی معظم و الصلوۃ علیھا لا تعظیم فیھا۔ اھ۔"

بالا بیان سے عیاں ہوا کہ وضو کے بعد جس رومال سے اعضائے وضو پوچھے جاتے ہوں اس پر نماز پڑھنا بہتر نہیں اور جو کپڑے کام کاج میں مستعمل یا جس سے پسینے پوچھے یا ناک صاف کئے جاتے ہوں ان پر نماز یا ان کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ

ہے نہ اس لئے کہ وہ ناپاک ہے بلکہ اس لئے کہ مصلی معظم ہے اور ان پر نماز پڑھنے میں اس کی تعظیم نہیں ہوتی۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

سہ شنبہ ۷ ۲ / ۳ / ۱۴۱۷ھ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

محترم المقام قابل صد احترام حضرت علامہ مولانا و مفتی جیش محمد صدیقی صاحب برکاتی شیر نیپال صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ وغیرہ میں کہ کسی گاؤں میں مسجد کے بغل میں ہی مسجد کی زمین ہے جس جگہ یہ عرصوں سے جنازے کی نماز ہوتی آ رہی ہے کیا اس جگہ پر جنازے کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) نماز جنازہ پڑھنے کے لئے اور جگہ موجود ہے کیا ایسی صورت میں عیدگاہ کے اندر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) کسی بھی گاؤں میں جگہ رہتے ہوئے جنازہ کی نماز عیدگاہ کے اندر پڑھا دی گئی کیا وہ نماز درست ہوئی یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہوئی تو اس کی ادائےگی کی کیا صورت ہے؟

حضرت سے گذارش ہے کہ معتبر کتاب کے صحیح حوالہ کے ساتھ جواب تحریر فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔ بینوا و توجروا۔

فقط و السلام مع الاحترام

المستفتی: ڈاکٹر عبد المصطفی

ساکن تکیہ شریف دادپور، بیگوسرائے (بہار) ۸۵۱۱۳۳

۲۹ / ۳ / ۱۴۱۷ھ

الجواب بعون الملک الوھاب: نماز جنازہ عیدگاہ اسی طرح مکتب و مدرسہ میں پڑھنا پڑھانا بلاکراہت جائز ہے۔حاشیۂ مراقی الفلاح ص۲۹۱ پر ہے:"و قید بمسجد الجماعة لانھا لاتکرہ فی مسجد اعدلھا و کذا فی مدرسة و مصلی عید لانه لیس لھا حکم المسجد فی الاصح انتھی۔"

مذکورہ بالا حاشیہ مراقی الفلاح کی عبارت سے واضح ہوا کہ مسجد کی زمین پر مسجد سے الگ اور عیدگاہ میں اسی طرح مدرسہ میں نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں اور پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۲۲/۵/۱۴۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں:

کہ ہمارے یہاں کارواج ہے کہ میت کو چار کفن دیتے ہیں۔یعنی تین کفن جو کتابوں میں ہے اس کے علاوہ ایک تہبند کرے دیتے ہیں۔بعض علماء کہتے ہیں کہ اسے اتارلیا جائے یہ سنت کے خلاف ہے۔بعض علماء کہتے ہیں کہ نہ اتارا جائے اس کے اتارنے پر ایک فساد کا امکان ہے اور اس کی ممانعت شریعت میں نہیں ہے بلکہ بعض کتابوں میں اس کو مستحب کہا گیا ہے اب آپ واضح فرمائیں کہ اس کے اتارنے پر شریعت کا کیا حکم ہے؟اور نہ اتارنے پر کیا گناہ ہے؟ فقط

المستفتی: مسلمانان ملنکوا ل سرلاہی (نیپال)

۱۴/۲/۱۴۰۹ھ

الجواب: بعون الملک الوھاب

درمختار ج۱ص۶۳۶ (ولیسن فی الکفن له ازار وقمیص ولفافة و تکرہ العمامة) للمیت (فی الاصح) مجتبیٰ واستحسنھا المتاخرون

العلماء والاشراف ولا باس بالزیادة علی الثلاثة۔ یعنی مرد کے لیے کفن میں مسنون تہبند اور کرتہ اور لفافہ ہے اور مردہ کے لیے عمامہ صحیح تر قول میں مکروہ ہے اور متاخرین فقہاء نے علماء اور مشائخ کے لیے عمامہ کو مستحسن خیال فرمایا ہے اور کفن میں تین سے زیادہ کپڑا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور درمختار کے حاشیہ ردالمحتار (فتاویٰ شامی) میں (قوله ولا باس بالزیادة علی الثلاثة) کے تحت ہے کذا فی النھر عن غایة البیان ونقل قبله عن المجتبی الکراھة لکن قال فی الحلیة عن الذخیرة معزیاً الی عصام انه الی خمسة لیس بمکروہ ولا باس به اھ ثم قال ووجه بان ابن عمر کفن ابنه واقداً فی خمسة اثواب قمیص وعمامة وثلاث لفائف وأدار العمامة الی تحت حنکه رواہ سعید بن منصور اھ قال فی البحر بعد نقل الکراھة عن المجتبیٰ واستثنی فی روضة الزندوسی ما اذا وصیٰ بان یکفن فی اربعة اوخمسة فانه یجوز بخلاف ما اذا أوصیٰ ان یکفن فی ثوبین فانه یکفن فی ثلاثة ولو أوصیٰ ان یکفن بالف درھم کفن کفناً وسطاً اھ قلت الظاھر ان الاستثناء الذی فی الروضة منقطع اذلو کرہ لم تنفذ وصیته کما لم تنفذ بالاقل تامل۔

یعنی ان کا قول کہ (کفن میں تین پر زیادہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں) یہ مسئلہ یونہی نہر (الرائق شرح کنزالدقائق) میں غایة البیان سے منقول ہے۔اور اس کے پہلے مجتبیٰ سے اس کی کراہت نقل کردی گئی ہے لیکن ذخیرہ سے حلیہ میں عصام کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہا ہے کہ پانچ کپڑوں تک مکروہ نہیں اور نہ اس میں کسی قسم کا حرج ہے۔اور اس کی دلیل بیان فرمائی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے صاحبزادہ واقد کو کفن میں پانچ کپڑے دیئے کفنی وعمامہ اور تین چادر اور عمامہ کے شملہ کو ان کے تھوڑی کے نیچے تک لپیٹ دیا تھا رواہ سعید بن منصور۔بحر میں مجتبیٰ سے کراہت نقل

کرنے کے بعد کہا کہ روضۃ الزندوی میں استثناء کیا کہ جب کفن میں چار یا پانچ کپڑے دینے کی کوئی وصیت کرے تو وہ جائز ہے بخلاف اس کے کہ وصیت کرلے کہ اسے دو کپڑے میں کفنایا جائے تو اسے تین کپڑوں میں کفنایا جائے گا۔ اور اگر وصیت کرلے کہ ہزار درہم کی قیمت کا کپڑا اس کے کفن میں دیا جائے تو اسے متوسط قیمت کا کفن دیا جائے گا۔ صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں کہ وہ استثناء جو روضۃ الزندوی میں مذکور ہے منقطع ہے۔ اسی لیے کہ اگر تین سے زائد کپڑا کفن میں مکروہ ہوتا تو وصیت نافذ نہ ہوتی جیسا کہ تین سے کم کپڑے میں وصیت نافذ نہیں ہوتی۔ اس میں غور وفکر سے کام لیں۔

اور طحطاوی شریف حاشیہ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص ۳۴۷ میں ہے

تکرہ الزیادۃ کمافی المجتبیٰ الا ان یوصی بالاکثر فلا یکرہ بخلاف ما اذا اوصیٰ ان یکفن فی ثوبین فانہ یکفن فی ثلاثۃ اثواب ولا یراعیٰ شرطہٗ لانہ خالف السنۃ وفی غایۃ البیان لاباس بالزیادۃ علی الثلاث فی کفن الرجل وذکر ابن امیر الحاج عن الذخیرۃ ان الزیادۃ فی کفن الرجل الیٰ خمسۃ غیر مکروھۃ ولاباس بھا وحینئذٍ فالاقتصار علی الثلاث لمعنی کون الاقل مسنونا کمافی الحموی یعنی لالان الزیادۃ علیھا مکروھۃ۔

یعنی تین سے زائد مکروہ ہے جیسا کہ مجتبیٰ میں ہے۔ مگر تین سے زائد کی کوئی وصیت کرے تو زیادہ کرنا مکروہ نہ ہوگا بخلاف اس کے کہ جب کوئی دو کپڑوں میں کفن دینے کی وصیت کرے تو اسے تین کپڑوں میں ہی کفنایا جائے گا اور اس کے شرط کی رعایت نہ کی جائے گی کہ یہ خلاف سنت ہے۔ اور غایت البیان میں ہے کہ مرد کے کفن میں تین پر زیادہ کرنے میں حرج نہیں ہے اور ابن امیر حاج نے ذخیرہ سے ذکر کیا ہے کہ مرد کے کفن میں پانچ تک زیادہ کرنا نہ مکروہ ہے اور نہ ہی اس میں کسی طرح کا حرج ہے اور تین کپڑوں پر اقتصار کا ذکر اس لیے ہے کہ اس سے کم کفن دینا مسنون نہیں ہے

کمافی الحموی۔ یعنی تین کا ذکر اس لیے نہیں ہے کہ اس پر زیادہ کرنا مکروہ ہے۔

اور بدائع الصنائع ج۱ص۳۰۶ وقد کرھہ بعض مشائخنا لانہ لوفعل ذالک لصار الکفن شفعاً والسنۃ فیہ ان یکون فیہ وتراً واستحسنہ بعض مشائخنا لحدیث ابن عمر انہ کان یعمم المیت ویجعل ذنب العمامۃ علیٰ وجھہ بخلاف حال الحیاۃ فانہ یرسل ذنب العمامۃ من قبل القفالان ذلک لمعنی الزینۃ وانقطع ذالک بالموت۔ اقول وکذا فی الکفایۃ ج۲ص۸۰ وفتح القدیر ج۱ص۴۹ وکتاب المبسوط لشمس الدین السرخسی ج۲ص۶۰ وشرح الوقایہ مع عمدۃ الرعایۃ ج۱ص۲۰۶ ودر المنتقی فی شرح الملتقی ومجمع الانھر فی شرح الملتقی الابحر ج۱ص۱۸۱۔

یعنی ہمارے بعض فقہاء نے کفن میں عمامہ کے اضافہ کو مکروہ خیال فرمایا ہے کہ اس کے اضافہ سے کفن جفت ہو جاتا ہے اور اس میں طاق سنت ہے اور بعض علمائے کرام نے حضرت سیدنا عبداللہ ابن عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی حدیث کی بنا پر عمامہ کو مستحسن جانا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ میت کو عمامہ بندھواتے اور اس کے شملہ کو چہرہ پر ڈال دیتے تھے زندگی کی حالت کے برعکس اس لیے کہ شملہ بحال حیات پشت کی جانب زینت کے لیے چھوڑا جاتا ہے اور موت سے معنی زینت فوت ہو گیا۔

اقول: کفایہ وفتح القدیر ومبسوط وشرح الوقایہ مع عمدۃ الرعایہ ودر المنتقی ومجمع الانھر میں یونہی ہے جیسا کہ بدائع الصنائع میں مذکور ہوا اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ص ۲۱۳ میں فرماتے ہیں مرد کے لیے تین کپڑے سنت ہیں اور عورت کے لیے پانچ ان کے سوا کفن میں کوئی اور تہبند یا رومال دینا بدعت وممنوع ہے انتہیٰ۔

بالا بیان سے واضح ولائح ہو گیا کہ کفن میں زیادۃ علی الثلاث بالاتفاق جائز

ہے۔ کراہت اور عدم کراہت میں اختلاف ہے۔ بعض جنفت کے باعث عمامہ کو مکروہ سمجھتے ہیں اور بعض حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی بنا پر عمامہ کو مستحسن خیال فرماتے ہیں۔ بعض پانچ کپڑوں تک نہ مکروہ تصور فرماتے ہیں اور نہ اس میں کوئی مضائقہ سمجھتے ہیں۔

فاقول وباللہ التوفیق۔ جہاں فتنے سے امن ہو وہاں مرد کے کفن میں تین پر اقتصار اولیٰ و افضل اور بہتر و خوب تر کہ اس میں کراہت و بدعت و ممانعت (جیسا کہ ہمارے بعض فقہائے کرام و مفتیان عظام کے نزدیک ہے) سب سے حفاظت ہوتی ہے اور بلا تاویل و تخصیص حضرت علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ کے فرمان کی اس میں تعمیل بھی ہے: **کما فی البدائع فی ترتیب الشرائع ج۱ص۳۰۶ وروی عن علی رضی اللہ عنہ انہ قال کفن المرأۃ خمسۃ اثواب و کفن الرجل ثلاثۃ ولاتعتدوا ان اللہ لایحب المعتدین**۔ اور جہاں ایک مزید تہبند دینے پر تعامل ہے اور اتار لینے پر فتنہ کا صحیح اندیشہ و امکان ہے۔ **یا اہل بطلان حزب الشیطن عدو الرحمن ذو الخذلان والخسران** کا نشان اس کا نہ دینا یا اتار لینا بن چکا ہے وہاں اس کا دینا ہی مرجح ہوگا کہ آخر جواز میں تو کسی کا کلام نہیں ہے کہ بالاتفاق تین پر زیادتی جائز ہے جیسا کہ تین سے کم کفن کفایت و ضرورت جائز ہے۔

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

محمد جیش صدیقی برکاتی

۳/ ۳/ ۱۴۰۹ ہجری

صح الجواب والمجیب مصیب

واللہ اعلم بالصواب

احمد حسین البرکاتی

خادم الجامعۃ الحنفیہ الغوثیۃ الواقعۃ ببلد جنکفور (نیپال)

کیا کوئی ایسی حدیث ہے جس میں یہ تذکرہ ہے کہ مردوں کو چاہے کسی وقت بھی دفن کیا جائے جب نکیرین اس سے سوال و جواب کے لئے آتے ہیں اور اس کو جگاتے ہیں تو مردے کو عصر کا وقت اخیر معلوم ہوتا ہے جس کی بنا پر نمازی بندے یہ کہتے ہیں کہ پہلے مجھے نماز پڑھنے دو اور نماز پڑھتے ہیں تو ان کے نماز کی ادائیگی وضو سے ہوتی ہے یا تیمم سے یا کس حالت میں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل و مفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

المستفتی: مولانا محمد ذاکر حسین

مدرسہ حنفیہ منظر اسلام، باسوپٹی، ضلع مدھوبنی، بہار

۲۶/ ۴/ ۱۴۱۶ھ

ہاں ایسی حدیث شریف ہے مگر یہ کہ وہ نماز پڑھتے ہیں یہ نہیں۔ مشکوٰۃ شریف ج۱،ص ۲۶ میں ہے: "**عن جابر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا ادخل المیت القبر مثلت لہ الشمس عند غروبہا فیجلس یمسح عینیہ ویقول دعونی اصلی رواہ ابن ماجہ**۔" حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب میت قبر میں داخل کی جاتی ہے تو اسے سورج ڈوبتا ہوا معلوم ہوتا ہے تو وہ آنکھیں ملتا ہوا بیٹھتا ہے اور کہتا ہے مجھے چھوڑ دو میں نماز پڑھ لوں۔ (ابن ماجہ) اسی حدیث شریف کے تحت حاشیہ مشکوٰۃ شریف پر ہے۔ **قولہ: دعونی ای اترکوا کلامی والسوال منی قولہ اصلی ای ارید ان اصلی خوف الفوت قبل الموت کانہ یظن انہ بعد فی الدنیا ویؤدی ما علیہ من الفرض ویشغلہ من قیامہ بعض الاصحاب وذلک من رسوخہ فی ادائہ و مداومتہ علیہ فی الدنیا ۱۲ مرقاۃ**" اور اشعۃ اللمعات ج۱،ص ۱۲۳ پر ہے: "و خیال می کند کہ در اہل خانہ خود نشستہ است و این

دلالت بر فاہیت حال وے می کند گویا کہ ہنوز در دنیاست و بخواب رفتہ بود و دلالت دارد بر رسوخ وے در ادائے نماز نفس و مداومت و مواظبت وے بر آں در دنیا۔" انتہیٰ

اس حدیث شریف سے صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ اس مردہ کو گمان گذرے گا کہ اب تک وہ دنیا میں ہی ہے اور خواب سے بیدار ہوا ہے اور اپنے گھر والوں میں بیٹھا ہے اور وقت نماز جا رہا ہے اور اب تک اس نے فریضہ ادا نہیں کیا ہے اس لئے وہ کہے گا کہ گفتگو ترک کرو سوال و جواب چھوڑو نماز پڑھنے دو اس کا نماز پڑھنا ثابت نہیں اور نہ اس کا وہ مکلف۔ حدیث پاک ہے: "قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا مات الانسان انقطع عنه عمله" اور جب اس کا نماز پڑھنا ثابت نہیں تو اس کے وضو و تیمم کا سوال بلا وجہ و بلا سبب۔ بالفرض اگر ثابت بھی ہو تو وہ باوضو یا غسل قبر میں جاتا ہی ہے مزید وضو و تیمم کی کیا حاجت۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

۱۴/۵/۱۴۱۶ھ

بد مذہبوں کے جنازہ میں شرکت کیسی؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ (۱) زید ایک عالم دین ہے اور پیر بھی ہے بیعت بھی کرتا ہے اور وہ جان بوجھ کر دیوبندی کی نماز جنازہ پڑھا جب اسے کہا گیا تو کہتا ہے کہ ہم نے صرف ہاتھ باندھ لیا تھا کچھ نہیں پڑھا تھا ایسی صورت میں اس کا نکاح اور ایمان باقی ہے کہ ختم ہو گیا۔ اور خود زید کی بیعت و خلافت ختم ہو گئی کہ نہیں اور جو لوگ زید سے بیعت ہے اس کی بھی بیعت باقی ہے یا ختم ہو گئی۔

(۲) زید کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، گفتگو کرنا اور اس کو مسلمان جاننا کیسا ہے؟ جائز ہے کہ نہیں؟

(۳) دیوبندی کے یہاں لڑکا لڑکی کی شادی جائز ہے کہ نہیں؟ اس کے یہاں کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا جائز کہ نہیں؟

(۴) عمر کہتا ہے کہ میں دیوبندی کے پیچھے نماز پڑھ لیتا ہوں ایسی صورت میں عمر کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حالانکہ عمر ابھی تک دیوبندی کی اقتدا نہیں کیا ہے؟

المستفتی: محمد امان اللہ

دار العلوم تیغیہ یوسفیہ، چاند پورہ فتح پور، ضلع ویشالی (بہار)

الجواب بعون الملک الوھاب: اللھم ھدایۃ الحق و الصواب و الیه المرجع و المآب نسئل الله العفو و العافیة جماعت وہابیہ، دیوبندیہ اسی طرح قادیانیہ، رافضیہ آیات قرآنیہ: "اولئك كالانعام بل هم اضل و مثله كمثل الكلب اولئك هم شر البرية" اور احادیث نبویہ "اهل البدع شر الخلق و الخليقة و اهل البدع كلاب اهل النار" کے بالیقین مصداق اور قطعاً یقیناً دائرہ اسلام سے خارج ہے کہ یہ فرق باطلہ سید ہر دوسرا حبیب خدا علیہ افضل التحیہ و الثناء کی بارگاہ عالیہ کے گستاخ ہیں ان سب میں بدتر اور خبیث تر دیوبندیت ہے۔ نعوذ بالله منها ولا حول ولا قوة الا بالله۔ آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ سے بطریق روشن ثابت ہے کہ ان فرق باطلہ کا ذبہ ضالہ مضلہ کافرہ مرتدہ سے میل جول حرام ان سے سلام و کلام حرام پاس بیٹھانا حرام ان کے پاس بیٹھنا حرام ان کی عیادت حرام ان کا جنازہ اٹھانا حرام ان کے جنازہ کے ساتھ جانا حرام ان کا جنازہ پڑھنا حرام مسلمانوں کا سا انہیں غسل و کفن دفن کرنا حرام ان کی قبر پر جانا حرام ان کے لئے دعائے مغفرت کفر انہیں ایصال ثواب کرنا مثل جنازہ حرام و کفر۔ قال تعالٰی: "فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظلمين" تو یاد آنے پر ان ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ قال تعالٰی: ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار" اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں دوزخ کی آگ چھوئے گی۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم" یعنی ان بدمذہبوں سے دور بھاگو، دور رہو انہیں اپنے پاس سے دور کرو، دور رکھو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردے بہکا نہ دے۔ وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دے۔ (رواہ مسلم) دوسری حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "وان مرضوا فلاتعودوھم وان ماتوا فلاتشھدوھم" وہ بیمار پڑے تو پوچھنے نہ جاؤ مرجائے تو جنازے پر حاضر نہ ہو۔ (رواہ ابوداؤد) اور فرماتے ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "وان لقیتموھم فلاتسلموا علیھم" اور اگر ان سے ملاقات ہوجائے تو سلام نہ کرو (رواہ ابن ماجہ) اور فرماتے ہیں حضور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "لاتجالسوھم و لاتشاربوھم ولاتواکلوھم ولا تناکحوھم" ان کے پاس نہ بیٹھو، نہ ساتھ پانی پیو، نہ ساتھ کھانا کھاؤ، نہ ان سے شادی بیاہ کرو۔ (رواہ العقیلی) اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "اذا ظھرت الفتن او قال البدع وسب اصحابی فلیظھر العالم علمہ فمن لم یفعل ذلک فعلیہ لعنۃ اللہ و الملٰئکۃ و الناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صرفا ولاعدلا اھ. فتاوٰی رضویہ ج۶، ص۱۰۶" جب فتنے یا فرمایا بدمذہبیاں ظاہر ہوں اور میرے صحابہ کو برا کہا جائے تو واجب ہے کہ عالم اپنا علم ظاہر کرے جو ایسا نہ کرے گا اس پر اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ اس کا فرض قبول فرمائے نہ نفل۔ (اخرجہ الخطیب البغدادی فی الجامع وغیرہ) اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم الاسلام" جو کسی بدمذہب کی توقیر کرے اس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد کی۔ (رواہ الطبرانی) اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "من مشی الی صاحب بدعۃ لیوقرہ فقد اعان علی ھدم الاسلام" جو کسی بدمذہب کی طرف اس کی توقیر کرنے کے لئے چلے اس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد دی۔ (رواہ

ابونعیم فی الحلیہ) ھذا کلہ فی المجلد السادس من الفتاوٰی الرضویہ ملتقطاً

فتاوٰی رضویہ جلد ششم ص ۱۰۸ پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں بلاشبہ اس سے دور بھاگنا اسے اپنے سے دور کرنا اس سے بغض اس کی اہانت اس کا رد فرض ہے۔ اور توقیر حرام اور ہدم اسلام۔ اسے سلام کرنا حرام اس کے پاس بیٹھنا حرام اس کے ساتھ کھانا پینا حرام اس کے ساتھ شادی بیاہ حرام اور قربت زنائے خالص اور بیمار پڑے تو اسے پوچھنے جانا حرام، مرجائے تو اس کے جنازے میں شرکت، اسے مسلمانوں کا سا غسل وکفن دینا حرام، اس پر جنازہ پڑھنا حرام بلکہ کفر اس کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھانا اس کے جنازہ کی مشایعت حرام اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا حرام اس کی قبر پر کھڑا ہونا حرام اس کے لئے دعائے مغفرت یا ایصال ثواب حرام بلکہ کفر۔ والعیاذ باللہ رب العٰلمین

جلد چہارم ص ۵۷ میں (امام حنفی المذہب جس نے ایک شیعہ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی) کے بارے میں فرماتے ہیں: وہ امام سخت، اشد کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا اس نے حکم قرآن عظیم کا خلاف کیا۔ قال اللہ تعالیٰ: "ولاتصل علی احد منھم مات ابداً" اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اور ایسے کو امامت سے معزول کرنا واجب۔ تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے: "لان فی تقدیمہ تعظیمہ و قد وجب علیھم اھانتہ شرعاً" فتاوٰی حجہ وغنیہ میں ہے: "لو قدموا فاسقاً یاثمون" یہ سب اس صورت میں ہے کہ اس نے کسی دنیوی طمع سے ایسا کیا ہو اور اگر دینی طور پر اسے کار ثواب اور رافضی تبرائی کو مستحق غسل ونماز جان کر یہ حرکات مردودہ کیں تو مسلمان ہی نہ رہا اگر عورت رکھتا ہو اس کے نکاح سے نکل گئی کہ آج کل رافضی تبرائی عموماً مرتدین ہیں۔ کما حققناہ فی رد الرفضہ اور بحکم فقہائے کرام تو نفس تبرا کفر کما فی الخلاصۃ و فتح القدیر و غیرھما فی کتب کثیرۃ اور کافر کے لئے دعائے مغفرت ہی کفر ہے نہ کہ نماز جنازہ کما فی الاعلام وغیرہ انتہی کلام

الامام۔

اسی میں ج ۴ص ۵۳ پر فرماتے ہیں متعدد حدیثوں میں بدمذہبوں کی نسبت ارشاد ہوا: "ان ماتوا فلا تشهدوهم" وہ مرے تو ان کے جنازہ پر نہ جائیں "ولا تصلوا عليهم" ان کے جنازے کی نماز نہ پڑھو نماز پڑھنے والوں کو توبہ واستغفار کرنی چاہئے اور اگر وہ صورت پہلی تھی یعنی وہ مردہ رافضی منکر بعض ضروریات دین تھا اور کسی شخص نے باآنکہ اس کے حال سے مطلع تھا دانستہ اس کے جنازہ کی نماز پڑھی اس کے لئے استغفار کی جب تو اس شخص کو تجدید اسلام اور اپنی عورت سے از سر نو نکاح کرنا چاہئے۔ انتہی کلام الامام احمد رضا۔

اقول: جماعت وہابیہ دیوبندیہ کا کفر شیعہ رافضیہ کے کفر سے اخبث ہے اور بدتر سے بدتر تو اس کا حکم اس سے زیادہ سخت اور بدتر از بدتر سے بدتر اس کا مرتکب اشد کبیرہ کا مرتکب اسی کے ص ۱۱۳ پر ہے مرتد کے لئے تو اصلاً نہ غسل، نہ کفن، نہ دفن، نہ مسلمان کے ہاتھ سے کسی کافر کو دیا جائے اگر چہ وہ اسی کے مذہب کا ہو اگر چہ اس کا باپ ہو بیٹا ہو بلکہ اس کا علاج وہی مردار کتے کی طرح دبا دینا ہے۔ درمختار میں ہے:

"اما المرتد فيلقى في حفرة كالكلب عند الاحتياج ملخصاً"

بالا بیان سے اوضح وابین ہو گیا کہ شخص مذکور فی السوال اگر فی الواقع دیوبندی کے جنازے میں محض شریک رہا جنازہ نہ پڑھا، دعائے مغفرت نہ کی، صرف ہاتھ باندھے رہا کچھ نہ پڑھا تو اس صورت میں، نہ اس کا نکاح گیا نہ ایمان مگر متعدد حرام و گناہ کا مرتکب ہو کر سخت واشد فاسق ٹھہرا اس میں اس کی شرکت حرام و گناہ اس کا اس کے ساتھ چلنا حرام و گناہ، اس کے ساتھ اس کا رہنا حرام و گناہ، اس کی قبر پر اس کا کھڑا ہونا حرام و گناہ، اس کا اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا مردار کتے کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے سے بدتر حرام و گناہ بلکہ سور کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے سے زیادہ برا کہ حدیث شریف میں اس کے بارے میں آیا ہے:

"شر الخلق و الخليقة" بدمذہب لوگ سب آدمیوں سے بدتر سب جانوروں سے بدتر ہیں اور جانوروں میں کتے سور بھی ہیں۔ دوسری حدیث شریف میں ہے: "اصحاب البدع كلاب اهل النار" بدمذہبی والے جہنمیوں کے کتے ہیں تو اس کا ہاتھ باندھنا کس کے سامنے ہوا کس کے لئے ہوا یہ تعظیم وتوقیر اس نے کس کی بجالائی اس عمل حرام اور اعلانیہ فسق سے کس کو خوش کرنا چاہا۔ اللہ واحد قہار کو معاذ اللہ، رسول اللہ کو معاذ اللہ، اہل اللہ کو معاذ اللہ ہرگز نہیں ہرگز نہیں ہرگز نہیں ہاں اس نے اپنے اس عمل سے عدو مبین شیطٰن لعین اور اس کے اذناب ملعونین مرجومین کو خوش کیا یا اپنے مریدین، معتقدین کو خوش کیا۔ سنیوں سے کہتا ہے صرف ہم نے ہاتھ باندھا دیوبندی سے کیا کہتا ہے؟ اور مریدوں سے کیا کہتا ہے؟ لاحول و لاقوة الا بالله و استغفر الله ومعاذ الله رب العلمين من الشيطن الرجيم اللعين۔

پیر عیار نہیں ہوتا، پیر مکار نہیں ہوتا، پیر ضال نہیں ہوتا، پیر مضل نہیں ہوتا، پیر فریب دہ نہیں ہوتا، پیر اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا نافرمان نہیں ہوتا، پیر رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سچا پیرو ہوتا ہے۔ پیر سنت کے مطابق چلتا پھرتا، اٹھتا بیٹھتا، سوتا جاگتا ہے۔ پیر کا کام ہدایت ہے ضلالت نہیں۔ پیر حلال وحرام کا پورا جانکار ہوتا ہے مسائل شرعیہ کا کامل عالم اور باعمل ہوتا ہے، فاسق معلن نہ ہو۔ اتصال رکھتا ہے ماذون ہوتا ہے۔ یہ شخص کیسا عالم ہے جب اس کے دل میں خشیت نہیں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ڈر نہیں قرآن شریف میں ہے: "انما يخشى الله من عباده العلمؤا" اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو عالم ہیں۔ (پ ۲۲، ع ۱۶) جتنا علم زیادہ اتنا خوف زیادہ حکمائے اسلام کے نزدیک علم کی حقیقت کیا ہے اس کے لئے چند اقوال ملاحظہ ہو۔

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: "ليس العلم عن كثرة الحديث لكن العلم عن كثرة الخشية" ترجمہ: زیادہ باتیں بنانا علم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنا علم ہے۔

(۲) امام مالک فرماتے ہیں: "ان العلم لیس بکثرۃ الروایۃ انما العلم نور یجعلہ اللہ فی القلب" ترجمہ: بکثرت روایت کرنے کا نام علم نہیں بلکہ علم ایک نور ہے جسے اللہ تعالیٰ کسی دل میں ڈال دیتا ہے۔

(۳) مجاہد فرماتے ہیں: "انما العالم من خشی اللہ عزوجل" ترجمہ عالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ عزوجل سے ڈرتا ہے۔

(۴) ربیع بن انس کا ارشاد ہے: "من لم یخش اللہ تعالیٰ لیس بعالم" ترجمہ جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں وہ عالم نہیں۔

(۵) حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: "کفی بخشیۃ اللہ تعالیٰ علما و بالاعترار جھلاً" ترجمہ: اگر دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہو جائے تو انسان کے لئے اتنا علم ہی کافی ہے اور اس سے بڑی جہالت اور کوئی نہیں کہ انسان خدا سے بے خوف ہو جائے۔۔

(۶) مسعود بن ابراہیم سے پوچھا گیا کہ اس شہر میں سب سے بڑا فقیہ کون ہے؟ فرمایا جو اپنے رب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ "من افقہ اھل المدینۃ قال اتقاھم لربہ عزوجل"

(۷) سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے: "ان الفقیہ حق الفقیہ من لم یقنط الناس من رحمۃ اللہ ولم یرخص لھم فی معاصی اللہ تعالیٰ و لم یؤمنھم من عذاب اللہ تعالیٰ و لم یدع القرآن رغبۃ عنہ الی غیرہ۔" یعنی صحیح معنوں میں فقیہ اور عالم وہ ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ کرے اور خدا کی نافرمانی پر انہیں جری نہ کرے۔ خدا کے عذاب سے انہیں بے خوف نہ کرے اور قرآن کے بغیر اسے کوئی چیز اپنی طرف راغب نہ کر سکے۔ (قرطبی)

تفسیر صدر الافاضل میں اس آیت کریمہ: "ولا تکتمونہ" کے تحت مذکور ہے علما پر واجب ہے کہ اپنے علم سے فائدہ پہنچائیں اور حق ظاہر کریں اور کسی غرض

فاسد کے لئے اس میں سے کچھ نہ چھپائیں۔ اسی میں ہے علم دین کا چھپانا ممنوع ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس شخص سے کچھ دریافت کیا گیا جس کو وہ جانتا ہے اور اس نے اس کو چھپایا روز قیامت اس کے منہ میں آگ کی لگام لگائی جائے گی، اس پر اسی طرح اعلانیہ توبہ فرض جس طرح اعلانیہ وہ جنازہ میں گیا۔ حدیث میں ہے: "و اذا عملت سیئۃ فاحدث عندھا توبۃ السر بالسر و العلانیۃ بالعلانیۃ"

ان مذکورہ بالا آیات و احادیث و اقوال سے روز روشن کی طرح روشن ہو گیا کہ اگر یہ عالم ہے تو اس پر فرض تھا یہ اعلان کرتا کہ دیوبندی کی نماز جنازہ نہیں، اس میں شرکت جائز نہیں، اس کے لئے دعائے مغفرت نہیں وغیرہ وغیرہ، نہ کہ خود شریک ہونا اور عوام کو گمراہ کرنا اور کچھ خوف نہ کرنا حیلہ بنانا کہ ہم نے صرف ہاتھ باندھ لیا تھا ہر گز یہ شخص اپنی بدعملی کے باعث نہ قابل امامت ہے، نہ لائق پیری مریدی ایسے کو پیر بنانا حرام حرام اشد حرام ہے۔ اس سے علیحدگی ضروری۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　پس بہر دستے نباید داد دست

حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "من غشنا فلیس منا" دھوکہ دینے والا ہمارے گروہ سے نہیں۔ نسئل اللہ العفو و العافیۃ۔ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من کان یومن باللہ و بالیوم الآخر فلا یقف مواقف التھم ذکرہ الشرنبلالی" جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ مواقع تہمت پر نہ جائے۔

اقول: یہ سارے احکام اس صورت میں ہیں کہ اس نے دیوبندی کو کافر مرتد جانا اور اس کے لئے دعائے مغفرت نہ کی۔ ورنہ اگر دانستہ اسے مسلمان جانا یا دانستہ ایصال ثواب کیا تو اسی کی طرح کافر و مرتد بیوی نکاح سے باہر اگر رکھتا ہو اور سارے اعمال اکارت۔ قال تعالیٰ: "و من یرتدد منکم عن دینہ فیمت و ھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا و الآخرۃ و اولئک اصحاب النار ھم

فیہا خلدون"۔ اور تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے پھر کافر ہو کر مرے تو ان لوگوں کا کیا اکارت گیا دنیا میں اور آخرت میں اور وہ دوزخ والے ہیں۔ انہیں اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب واللہ یوفق ویھدی الی سبیل الحق والصواب۔**

(۲) جب تک بالاعلان توبہ نہ کرے اس کے ساتھ نشست وبرخاست منع اور جب وہ اس بات کا قائل ہے کہ اس نے صرف ہاتھ باندھ لیا تھا کچھ پڑھا نہ تھا مردہ دیوبندی کو جنازہ پڑھے جانے کے قابل نہ جانا تھا تو مؤمن ہی جانیں گے، مؤمن ہی کہیں گے کہ اس کی گمراہ گری کی وجہ سے اس سے دور رہیں گے۔ ہاں اس کے ساتھ سلام وکلام طعام وقیام سے بچیں گے اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے تا وقتیکہ مرجع فتویٰ وتقویٰ کے نزدیک اس کا اس کی توبہ کے بعد صلاح حال نہ ہو جائے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔**

(۴) اس کا مدلل جواب نمبر ا میں تفصیلاً گزر چکا کہ اس کے ساتھ مناکحت نشست وبرخواست قیام وطعام سب حرام اشد حرام اس کے ساتھ نکاح باطل اس کی قربت زنائے خالص اور اولاد ولد حرام۔ کمافی الفتاوی الرضویہ۔

(۵) اگر عمر اس کے کفریات سے آگاہ ہو کر اس کو مسلمان جانتا ہے تو اسی کی طرح کافر ومرتد اس کے پیچھے نماز باطل۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔**

۱۰/ ۲/ ۱۴۲۴ھ

۸۶/ ۷/ ۹۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں:

(۱) زید کی جائیداد ہے اور بکر اس میں زبردستی لاش کو دفن کرنا چاہا جب زید کو خبر

ملی تو زید نے بکر کو اس جگہ دفن کرنے سے منع کیا مگر بکر اور اس کے حامیوں نے سیف وسنان وعصا لے کر حملہ کر دیا اور اس ٹولے کے امام بھی برہم ہو کر فحش گالی دینا شروع کر دیا اور وہ ہمیشہ مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈالتا رہتا ہے۔

جواب طلب یہ ہے کہ جو لوگ دوسرے کی ملکیت میں زبردستی تصرف کرے اور جو امام مسلمانوں کے مابین تفرقہ ڈالے ایسے امام اور ایسی عوام کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۲) زید کے محلہ میں پرانی مسجد ہے جس میں بکر کے محلہ کے لوگ پنجوقتہ وجمعہ کی نماز پڑھا کرتے تھے اب بکر کے محلہ میں ایک مولوی آیا ہے وہ مولوی محلہ میں آتے ہی دو مسلمان بھائی کو لڑانا شروع کر دیا یہاں تک کہ اس ٹولہ میں ایک مسجد بنوائی گئی اس میں پنجوقتہ وجمعہ کی نماز قائم کر دی بایں وجہ پرانی مسجد ویران ہو گئی اس پر زید نے اس مولوی سے کہا کہ ہم لوگ ایک مسلک کے ہیں ایک جماعت سے نماز پڑھتے آئے ہیں اس لئے جماعت جدا مت کرو۔ اس پر اس مولوی نے کہا کہ چاہے پرانی مسجد ویران ہو جائے یا جماعت نہ ہو ہم کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اس ٹولے کے سارے لوگ بھی اس مولوی کی حمایت کرتے ہیں۔ ایا ایسا مولوی جو جماعت جدا کرنے والا ہو، مسجد کو ویران کرنے والا ہو، آپس میں مسلمانوں کو لڑانے والا ہو۔ نئی مسجد میں جمعہ کی نماز قائم کر دیا ہو ایسے مولوی اور ایسے مولوی کی حمایت کرنے والی عوام کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۳) بکر کا تعلق راعین برادری سے ہے۔ اب بکر اپنے آپ کو سید لکھتا ہے اس پر زید نے کہا کہ آپ تو راعین ہیں سید کیوں لکھا ہے اپنی ذات کو بدلنا غلط ہے اس پر بکر نے فخر سے کہا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ حدیث پاک ہے: "**خادم القوم سیدھم**۔" قوم کا خادم اس کا سردار ہوا کرتا ہے جب ہم قوم کے خادم ہیں تو سید لکھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے اور تقریر میں بولتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان تم پر بھالے سے حملہ کرے

توتم تلوار سے جواب دینا کیا یہ مفتی کا کام ہے کہ تلوار مسلمان پر چلوائے اور اپنی ذات کو چھپائے؟ اور رسید لکھے ایسا حکم دینے والے مفتی اور رسید لکھنے والے مفتی پر شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں ان سوالوں کا جواب مدلل عنایت فرمائیں۔

المستفتی: عبدالمصطفیٰ خاں عرف چھیدی

ساکن وپوسٹ اڑیلا، ضلع دربھنگہ (بہار)

تاریخ ۸؍۷؍۱۹۹۴ء

۸۶ھ / ۹۲

الجواب بعون الملك الوهاب: (۱) بلا اجازت مالک اس کی مملوکہ زمین میں دفن کرنا وہ بھی ظلم وستم کے ساتھ حرام حرام سخت حرام ہے مالک زمین کو اختیار ہے کہ چاہے میت کو قبر سے نکلوادے یونہیں زمین اپنے تصرف میں لاکر کھیتی کرلے۔ درمختار ج۱، ص ۶۶۲ میں ہے: "و يخير المالك بين اخراجه و مساواته بالارض كما جاز زرعه" فتاویٰ رضویہ، ج ۴، ص۱۰۸ میں ہے جو قبر ظلماً بلا اجازت مالک بنائی جائے اس کے لئے کچھ حق نہیں لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ليس لعرق ظالم حق" علماء اجازت دیتے ہیں کہ چاہے میت کو نکلوادے چاہے یونہیں زمین اپنے تصرف میں لائے اور فتاویٰ عالمگیری ج ۱، ص ۸۵ میں ہے: "اذا دفن الميت فى ارض غيره بغير اذن مالكها فالمالك بالخيار ان شاء امر باخراج الميت و ان شاء سوى الارض و زرع فيها كذا فى التجنيس۔"

مالک زمین کے منع کرنے کے باوجود زبردستی غیر کی زمین میں دفن کرنا اور مالک زمین کو گالی اور مارنے پیٹنے کی دھمکی دینا سب ظلم ہے اور ظلم کی قرآن وحدیث میں بڑی مذمت آئی ہے۔ قرآن شریف میں اس پر لعنت آئی ہے: "الا لعنة الله

على الظلمين۔" ارے ظالموں پر خدا کی لعنت (پ ۱۲، ع ۲) اس کی دوسری آیت ہے۔ (پ ۱۲): "و كذلك اخذ ربك اذا اخذ القرى وهى ظالمة ط" اور ایسی ہی پکڑ ہے تیرے رب کی جب بستیوں کو پکڑتا ہے ان کے ظلم پر بیشک اس کی پکڑ دردناک کڑی ہے۔

مسلم شریف کی حدیث ہے کہ تمہیں معلوم ہے کہ مفلس کون ہے؟ لوگوں نے عرض کی ہم میں مفلس وہ ہے کہ نہ اس کے پاس روپیہ ہے نہ متاع۔ فرمایا میری امت میں مفلس وہ ہے کہ قیامت کے دن نماز و روزہ، زکوٰۃ لے کر آئے گا اور اس طرح آئے گا کہ کسی کو گالی دی ہے، کسی پر تہمت لگائی ہے، کسی کا مال کھایا ہے، کسی کا خون بہایا ہے، کسی کو مارا ہے۔ لہٰذا اس کی نیکیاں اس کو دیدی جائیں گی۔ پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ العياذ بالله منها امام اور عوام دونوں پر مظلومین سے معافی مانگنا اور توبہ کرنا فرض ہے۔ خزائن العرفان میں بالا آیت کے تحت مذکور ہے تو ہر ظالم کو چاہئے کہ ان واقعات سے عبرت پکڑے اور توبہ میں جلدی کرے۔ وبالله التوفيق والله تعالىٰ اعلم بالصواب۔

(۲) جو مسجد ابتداءً اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے لئے نہ بنائی گئی بلکہ پرانی مسجد کو نقصان پہنچانے اور اس کی نمازیوں کو متفرق کرنے کے لئے یا مسلمان کے درمیان تفرقہ ڈالنے اور فساد برپا کرنے کے لئے بنائی گئی تو وہ مسجد نہ ہوئی بلکہ مسجد ضرار ہوئی۔ اس میں نماز کی اجازت نہیں اور نہ اس کے قائم رکھنے کی، اس کے بانی حرام قطعی اور گناہ عظیم میں مبتلا ہوئے۔ فتاویٰ رضویہ ج ۳، ص ۵۸۵ میں ہے: "مسجد ضرار وہ مسجد ہے جو ابتداءً فساد فی الدین وتفریق بین المؤمنین کے لئے بنائی گئی ہو اتنی۔" اور ج ۳، ص ۵۸۶ میں ہے: "مسجد اللہ کے لئے نہ بنائی بلکہ اس سے مقصود اگلی مسجد کو ضرر پہنچانا اور اس کی جماعت کا متفرق کردینا تھا تو بیشک یہ مسجد مسجد نہ ہوئی۔ نہ اس میں نماز کی اجازت بلکہ نہ اس کے قائم رکھنے کی اجازت اور اس صورت میں یہ لوگ ضرور

تفریق جماعت مومنین کے وبال میں مبتلا ہوئے کہ حرام قطعی وگناہ عظیم ہے۔" قال تعالیٰ:" والذین اتخذوا مسجداً ضراراً و کفراً وتفریقاً بین المؤمنین" (الآیۃ) اور اسی میں ج ۳، ص ۵۸۸ پر ہے: "اس بیہودہ خیال کی بنا پر دوسری مسجد پندرہ بیس قدم کے فاصلہ پر بنانا جس سے پہلی مسجد کی جماعت کو نقصان پہنچے، خود ہی ممنوع تھا ایک تو وہ خیال باطل دوسرے جماعت مسجد میں تفریق کہ مسجد ضرار کے اغراض فاسدہ سے ایک غرض ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:" و تفریقاً بین المؤمنین" یہاں کہ اس سے مقصود مسجد اول کا باطل ومعطل کر دینا ہے۔ یہ سخت حرام اشد ظلم ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:" و من اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ و سعیٰ فی خرابھا۔" انتھیٰ ملخصاً۔ ان سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو اللہ کا نام لئے جانے سے روکیں اور ان کی ویرانی میں کوشاں رہیں۔ ہاں اگر محلہ میں دوسری مسجد کی ضرورت ہے اور بغرض نماز خالص اللہ عزوجل کی خوشنودی کے لئے بنائی جائے اگرچہ اس پر باعث باہمی رنجش ہو کہ بسبب رنجش ایک جگہ جمع ہونا مناسب نہ جانے نماز بے مسجد ادا کرنی نہ چاہے اور کوئی ارادہ دوسری مسجدوں کو نقصان پہنچانے اور مسلمان کے درمیان پھوٹ ڈالنے کا نہ ہو تو وہ مسجد ضرور مسجد ہوگی۔ اس میں نماز بھی جائز اور اس کی حفاظت وآبادی بھی فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۳) شرع مطہر میں نسب باپ سے لیا جاتا ہے جس کے باپ، دادا پٹھان یا مغل یا شیخ یا راعین یا صافی یا انصاری یا منصوری ہوں وہ انہیں قوموں سے ہوگا۔

فتاوی رضویہ ج ۵، ص ۲۶۷ میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا ہے: "من ادعی الی غیر ابیہ فعلیہ لعنۃ اللہ و الملٰئکۃ و الناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ یوم القیامۃ صرفاً ولا عدلاً ھذا مختصر۔" جو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنے آپ کو نسبت کرے اس پر اللہ تعالیٰ اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا نہ فرض قبول

کرے نہ نفل۔ بخاری ومسلم ابوداؤد وترمذی ونسائی وغیرہم میں یہ حدیث مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کی ہے۔ ہاں یہ فضیلت خاص امام حسن اور امام حسین اور ان کے حقیقی بھائی، بہنوں کو عطا فرمائی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیٹے ٹھہرے۔ پھر ان کی جو خاص اولاد ہے ان میں بھی وہی قاعدۂ عام جاری ہوا کہ اپنے باپ کی طرف منسوب ہوں اس لئے سبطین کریمین کی اولاد سید ہیں نہ بنات فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی اولاد کہ وہ اپنے والدوں ہی کی طرف ہی نسبت کی جائیں گی۔ انتہی۔

بالا ان بیان سے معلوم ہوا کہ سید ان شرفاء ومعززین کا لقب ہے جو حقیقۃً حضور پرنور سید عالم سید ولد آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد امجاد سے ہو۔ ان کا نسب امامین کریمین سعیدین شہیدین نیرین طیبین طاہرین امام حسن و امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جا ملتا ہو تو جو درحقیقت خاتون جنت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد سے ہے وہ ضرور سید ہے اور جو ان کی اولاد سے نہیں اور سید ہونے کا دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا فریبی عیار مکار ہے وہ اپنا باپ غیر کو بناتا ہے باپ کے حق کا انکار کرتا ہے ایسوں پر جنت حرام ہے۔ ایسا شخص کسی منصب کے لائق نہیں، نہ امامت کے، نہ خطابت کے، نہ درس وتدریس کے، جب تک کہ توبہ صادقہ نہ کرے۔ جو حدیث اپنے سید ہونے کے لئے پیش کی ہے اس سے اس کی کج فہمی اور جہالت واضح ہے۔ حدیث شریف میں ہے: "عن سعد قال سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول من ادعیٰ الی غیر ابیہ وھو یعلم انہ غیر ابیہ فالجنۃ علیہ حرام فذکرتہ لابی بکرۃ فقال وانا سمعتہ اذنای ووعاہ قلبی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔" (بخاری شریف ج ۲، ص ۱۰۰۱) اسی میں دوسری حدیث شریف ہے: "عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال لا ترغبوا عن ابائکم فمن رغب عن ابیہ فھو کفر۔" حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوفرماتے ہوئے سنا جواپنے باپ کے سوا کسی اور کے متعلق دعویٰ کرے اور وہ جانتا ہے کہ وہ اس کا باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہے۔ پھر میں نے حضرت ابو بکرہ سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میرے کانوں نے اسے سنا اور میرے دل نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سن کر محفوظ رکھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے باپ دادوں سے منہ نہ پھیرو تو جواپنے باپ سے منہ پھیر کر دوسرے کو باپ بنائے تو یہ کفر ہے۔

اقول: وہ لوگ ان احادیث کریمہ کو دیکھیں اور عبرت پکڑیں جو اپنی برادری بدلتے ہیں سید نہیں اپنے کو سید کہتے ہیں، شیخ نہیں اپنے کو شیخ کہتے ہیں، خان نہیں اپنے کو خان کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ ان احادیث نبویہ میں کس قدر وعید شدید ہے نسب بدلنے والے پر جنت حرام اور یہ کہ وہ کفر ہے۔ **العیاذ باللہ!** اللہ تبارک وتعالیٰ سمجھ دے۔

وهو الهادي الى سواء الطريق و الله اعلم بالصواب و اليه المرجع و المآب.

شب یکم صفر المظفر ۱۴۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مفتیان عظام مسئلہ ذیل میں:

زید دیوبندی عقیدہ رکھتا تھا اور تبلیغی جماعت کا کارکن بھی تھا۔ جو باہر تبلیغ میں بھی جایا کرتا تھا اور پڑھا لکھا شخص بھی تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا تو لوگوں نے علماء سے رابطہ قائم کیا کہ اس کا جنازہ پڑھا جائے یا نہیں؟ علماء نے بے جنازہ دفن کرنے کا مشورہ دیا۔ گاؤں والوں نے اس کو بے جنازہ قبرستان کے ایک کنارے دفن کر دیا۔ اس کے بعد میت کی بیٹی گاؤں کے دوسرے محلہ میں گئی اور سارا واقعہ ہاں محلہ کے لوگوں سے بیان کیا اور مدد طلب کی اس محلہ سے بہت سے لوگ آئے۔ اور محلہ کے امام

اور علمائے کرام اور محلہ کے تمام لوگوں کو برا بھلا کہا اور جا کر جنازہ بھی پڑھا۔

یہی زید موت سے چند سال قبل اپنی عورت کو طلاق مغلظہ دے چکا تھا لوگوں نے اس کو اپنی عورت سے الگ رہنے کو کہا یہ کسی کی نہ سنا۔ فتویٰ منگایا گیا جس میں حلالہ کا حکم آیا اس پر بھی اس نے عمل نہ کیا اور انکار کیا اور تادم مرگ زید اپنی مطلقہ عورت کو حلال سمجھ کر اپنے ساتھ رکھا اور گاؤں والوں نے اس کا بائیکاٹ بھی کیا اس کے داماد نے بھی بھرپور کوشش کی کہ آپ مسئلہ پر عمل کیجئے اور حلالہ کر لیجئے مگر زید نہ سنا۔ زید کا داماد جو جماعت دیوبندیہ سے منسلک ہے اپنے خسر سے الگ ہو کر گاؤں والوں کے ساتھ رہنے لگا۔

زید جب سخت بیمار ہوا اور اس کی مطلقہ عورت سے خدمت نہ ہو سکی تو لوگوں نے اس کی مطلقہ عورت کو اس سے الگ کرنا سوچا وہ مطلقہ اپنی بیٹی کے گھر جا کر رہنے لگی اور زید کی بیٹی باپ کی خدمت کرنے لگی کچھ دنوں بعد زید کا داماد کلکتہ سے گھر آیا اور محلہ کے سابق امام سے مشورہ کیا کہ میں اپنے خسر کو اپنے گھر بلا کر رکھ سکتا ہوں؟ کیونکہ وہاں جا کر خدمت کرنے میں میری اہلیہ کو پریشانی ہوتی ہے۔ امام صاحب نے کہا کہ جائز نہیں مگر انسانیت کے ناطے آپ پہلے اپنے ساس کو گھر سے الگ کیجئے اور پھر اپنے خسر کو اپنے گھر سے باہر رکھ کر دیکھ ریکھ کیجئے مگر اس نے اپنے خسر و اور ساس کو اپنے گھر ہی میں رکھا اور دیکھا کہ یہ اب بچنے والا نہیں ہے تو پھر کلکتہ چلا گیا۔ اور جاتے وقت ایک شخص سے کہا کہ میرا انتظار نہ کرنا انتقال کے بعد دفن کر دینا۔ اس کے جانے کے دو دن بعد زید کا انتقال ہو گیا۔ فون پر رابطہ کیا گیا تو اس نے پھر وہی بات کہی کہ میرا انتظار نہ کیجئے۔ جو علما فرماتے ہیں کیجئے۔ علماء سے رابطہ کیا گیا جو اوپر مذکور ہے۔

لہٰذا حضور والا سے گذارش ہے کہ ہر ایک کا جواب مدلل ومفصل عنایت فرمایا جائے کہ گاؤں والے اور مردہ اور جن لوگوں نے امام صاحب اور علماء کرام اور گاؤں والوں کو برا بھلا کہا اور مردہ کے داماد پر از روئے شرع کیا حکم ہے؟

نوٹ: موت سے پہلے اس کی مطلقہ بیوی نے اس کی خدمت کی اور معافی وغیرہ مانگی۔

المستفتی: کمیٹی داؤدنگر، لال بندتولہ

محمد علی حسن رضوی، پوسٹ داؤدنگر، ضلع ویشالی (بہار) محمد یوسف رضوی امام مسجد، محمد راجو، محمد اسمٰعیل انصاری، عبد الرشید، عاشق، عبد القادر انصاری، محمد ادریس، محمد منصور انصاری، محمد اسحاق انصاری، محمد وارث علی، علی حسین، محمد کلام الدین قمر الحسن، محمد جمیل

۱۶ر دسمبر، ۲۰۰۲ء

الجواب بعون الملك الوهاب: طائفۂ دیوبندیہ تبلیغیہ خذلھم اللہ تعالیٰ اپنے اقوال خبیثہ کفریہ کے باعث خارج از اسلام ہے ایسا کہ "**من شك في كفره و عذابه فقد كفر**" جو اس کے اقوال ملعونہ پر مطلع ہو کر اس کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ ایسوں سے میل جول قطعی حرام، سلام و کلام قیام و طعام حرام، پاس بیٹھنا حرام، پاس بیٹھانا حرام، بیمار پڑے تو عیادت حرام، مرجائے تو مسلمان کا سا غسل و کفن حرام، ان کا جنازہ اٹھانا حرام، ان پر نماز پڑھنا حرام، مقابر مسلمین میں دفن کرنا حرام، ان کی قبر پر جانا حرام ان کے لئے ایصال ثواب حرام بلکہ کفر۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے: "**ولا تركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار**" اور میل نہ کرو ظالموں کی طرف کہ تمہیں دوزخ کی آگ چھوئے گی اور فرماتا ہے: "**و اما ينسينك الشيطن فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظلمين۔**" اگر شیطان تجھے بھلاوے تو یاد آنے پر ان ظالموں کے پاس نہ بیٹھ اور فرماتا ہے: "**و لا تصل على احد منهم مات ابداً ولا تقم على قبره**" ان میں سے کبھی کسی کے جنازہ کی نماز نہ پڑھنا اور نہ ان کی قبر پر کھڑا ہونا۔ جو ان کے اقوال پر مطلع ہو کر ان سے محبت رکھے وہ انہیں کی طرح کافر ہے۔ **قال اللہ تعالیٰ:** "**من يتولهم منكم فانه منهم۔**" تم میں جو ان سے دوستی رکھے وہ بیشک انہیں میں سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "**فاياكم و اياهم لا يضلونكم و لا يفتنونكم**" ان سے دور بھاگو اور انہیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔ اور فرماتے ہیں: "**لا تجالسوهم و لا تواكلوهم و لا تشاربوهم و اذا مرضوا لا تعودوهم و اذا ماتوا فلا تشهدوهم و لا تصلوا عليهم ولا تصلوا معهم۔**" نہ ان کے پاس بیٹھو، نہ انکے ساتھ کھانا کھاؤ، نہ ان کے ساتھ پانی پیو، بیمار پڑیں تو ان کی عیادت نہ کرو، مرجائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ، نہ ان پر نماز نہ پڑھو اور فرماتے ہیں: "**من احب قوماً حشره الله معهم**" جو کسی قوم سے محبت رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اسی قوم کے ساتھ اس کا حشر فرمائے گا۔ اور فرماتے ہیں: "**من هوى الكفرة فهو معهم۔**" جو کافروں سے محبت رکھے گا وہ انہیں کے ساتھ ہوگا۔ اور فرماتے ہیں: "**من كثر سواد قوم فهو منهم۔**" جو کسی قوم کا مجمع بڑھائے وہ انہیں میں سے ہے۔ اور فرماتے ہیں: "**من جاء مع المشرك وسكن معه فانه مثله**" جو کافر کے ساتھ آئے اور اس کے ساتھ رہے وہ بیشک اسی کے مثل ہے۔ **و قال تعالیٰ:** "**لا تجد قوماً يؤمنون بالله و اليوم الاخر يوادون من حاد الله و رسوله و لو كانوا آباءهم او ابناءهم او اخوانهم او عشيرتهم اولئك كتب في قلوبهم الايمان و ايدهم بروح منه۔**" پ۲۸، ع۳۔ تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جنہیں اللہ اور قیامت پر ایمان ہے کہ اللہ و رسول کے کسی مخالف سے دوستی کریں اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا عزیز ہوں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا۔ اور اپنی طرف کی روح سے مدد فرمائی ہے اور فرماتا ہے: "**ان الذين يحادون الله و رسوله اولئك في الاذلين**" بیشک اللہ و رسول کے جتنے مخالف ہیں سب ہر ذلیل سے بدتر ذلیلوں میں ہیں۔ اور فرماتا ہے: "**هم شر البرية**" وہ تمام مخلوق الٰہی سے بدتر مخلوق میں کتا بھی ہے سور بھی ہے۔ قرآن عظیم شہادت دیتا ہے کہ وہابیہ،

دیوبندیہ اپنے اقوال خبیثہ کی بنا پر ان سے بھی بدتر ہے کہ دیوبندیوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب میں کھلی گستاخیاں کی ہیں۔ حفظ الایمان میں حضور علیہ الصلاۃ و السلام کے علم پاک کو بہائم وغیرہا کے علم سے تشبیہ دی ہے۔ براہین میں علم حضور کو شیطان کے علم سے کم بتایا تحذیر الناس میں خاتم النبیین کے معنی تمام انبیاء و رسل سے زمانا متاخر ہونے کو عوام کا خیال بتایا، تقویۃ الایمان میں مسئلہ شفاعت کا انکار کیا۔ بلکہ اس کو شرک ثابت کیا ان کے کفریات کی تفصیل دیکھنی ہو تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تصنیفات 'سبحان السبوح'، 'فتاویٰ حرمین'، 'حسام الحرمین'، 'تمہید ایمان'، 'انباء المصطفیٰ'، 'خالص الاعتقاد' وغیرہا کا مطالعہ کریں۔ ان کے چند کفریات کو علمائے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا و تعظیما نے دیکھ کر فتویٰ صادر فرمایا۔ "**من شك في كفره و عذابه فقد كفر**" جو ان کے اقوال ملعونہ پر آگاہی پاکر ان کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

ان بالا بیان سے واضح ہے کہ جو ان دیوبندیوں کے خیالات و افکار کا حامل ہے ان کی جماعت کا رکن ہے ان کا ہم عقیدہ ہے وہ ضرور بالیقین انہیں میں کا ایک ہے اور قطعاً اور یقیناً کافر و مرتد ہے اور کافر و مرتد کا نہ نکاح ہے، نہ عیادت، نہ غسل و کفن، نہ کندھے پر اٹھانا، نہ قبرستان میں دفن جس سنی مسلمان نے جنازہ دانستہ پڑھا ہو وہ تجدید اسلام اور تجدید نکاح کرے۔ اگر بیوی رکھتا ہو۔ گالی دینے والے اگر دیوبندیوں کے ہم عقیدہ ہیں تو ان کی کیا شکایت کہ مسجد کے امام اور علمائے کرام اور محلے والوں کو گالیاں دیں ہیں جب کہ یہ لوگ خدا و رسول خدا کی شان میں گستاخیوں سے باز نہیں آتے۔ **العیاذ باللہ! ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔**

جب وہ دیوبندی تھا تو اس کا نکاح کہاں جب نکاح نہیں تو طلاق نہیں حالہ کا سوال جہالت پر مبنی عورت نہ اس کی عورت نہ بیٹی اس کی بیٹی کہ جب اس کا نکاح نہیں تو بیوی کیسی اور بیوی نہیں تو اس کی بیٹی کیوں کر۔ اس کا اس کے ساتھ رہنا زنائے

خالص تھا۔ نہ عورت کو جائز نہ عورت کی بیٹی کو روا تھا کہ اس کی خدمت کرے نہ اپنے گھر، نہ اس کے گھر جس مولوی اور امام نے خدمت و عیادت کی اجازت دی اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث "**واذا مرضوا فلا تعودوهم**" کی مخالفت کی اس امام نے انسانیت کے بطور خدمت روا رکھا یہ بھی جہالت در جہالت ہے۔ جب قرآن شریف کی شہادت ہے کہ: "**اولئك هم شر البرية**" یہ بدترین مخلوق ہیں تو انسانیت کیسی؟ اس امام پر توبہ لازم اور گالی دینے والے پر بھی کہ حدیث میں ہے مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ وہ مردہ کا داماد نہیں بلکہ عورت کا بھی داماد نہیں اور جب وہ دیوبندیوں سے ہے تو اس کا وہی حکم ہے جو مذکور ہوا اور یہی حکم صلح کلیہ، پھلواروِیہ، مجیبیہ، مودودیہ، چکڑالویہ، قادیانیہ، رافضیہ غالیہ، وغیرہا فرق باطلہ کا ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب وباللہ التوفیق ومنہ الهدایۃ۔**

۲۶/۱۱/۱۴۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید عالم دین ہے اور جانتے ہوئے دیوبندی کی نماز جنازہ پڑھا اور اس بات سے پوری طرح واقف ہے کہ جس کا انتقال ہو گیا ہے وہ دیوبندی تھا پھر بھی نماز جنازہ پڑھا۔ پھر کچھ دن بعد زید بغیر توبہ کئے ہوئے ایک سنی کی نماز جنازہ پڑھایا تو جن لوگوں نے ان کے پیچھے نماز جنازہ پڑھا اس پر کیا حکم صادر ہوگا؟

المستفتی: محمد امان اللہ

دار العلوم تیغیہ، چاند پور فتح پور، ضلع ویشالی (بہار)

۹۲/۸۶ ے

الجواب بعون الملك الوهاب: اگر دانستہ پڑھا تو اس کا اسلام جاتا رہا بیوی رکھتا ہے تو نکاح بھی جاتا رہا اگر یونہی کھڑا رہا تو بدترین فاسق ہوا ویسے کو پہلی

صورت میں دانستہ امام بنانا کفر اور دوسری صورت میں حرام بہر صورت امام و مقتدی سب پر توبہ درجہ بدرجہ فرض و واجب تو بہ گناہ نہیں بلکہ مزیل گناہ ہے۔ **واللہ الموفق واللہ الھادی و اللہ تعالٰی اعلم۔**

کفن کا بیان

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ہمارے یہاں یعنی بالکنگا مہریون سراہی نیپال میں کفن سنت کے موافق دی جاتی ہے لیکن لفافہ کو ڈبل کر دیا جاتا ہے۔ یعنی لفافہ میں جتنا کپڑا لگتا ہے لمبا چوڑا اتنے لمبا چوڑا ایک اور تیار کر کے یعنی سائڈ وغیرہ جوڑ جوڑ کر دوسرا بھی اسی لفافہ کے برابر مشین سے سل دیا جاتا ہے۔ زید نے کہا ایسا کیوں یہ تو زیادتی ہو گئی۔ تو عوام اور یہاں کے ایک عالم صاحب ہیں انھوں نے فرمایا کہ نہیں گرچہ ڈبل دیا جاتا ہے لیکن سل کر تو ایک ہی بنا دیا جاتا ہے اور عالم صاحب اور جاہل صاحب دونوں کا کہنا ہے کہ کفن تو تین ہی ہوا۔ دوسری بات کپڑے پتلے ہوتے ہیں اس کو موٹا کر دیتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح کفن دیا جائے لفافہ کا کپڑا ڈبل سل کر ایک بنا کر کوئی مضائقہ نہیں ہے؟ اگر ہے تو ذرا تفصیل سے قرآن و احادیث اور اقوال علمائے ربانیین اور سلف صالحین کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

نوٹ: لفافہ کے بالمقابل ایک اور اتنا ہی بڑا کپڑا کو تو ساتھ میں سل کر بنا ہی دیا جاتا ہے اس کے علاوہ ازار قمیص ہے۔

المستفتی: ظفر الدین متعلم فیض رضا، بالکنگا

۹۲/۷/۶/۸

الجواببعون الملك الوهاب: سنت مرد کے لئے تین کپڑے ہیں ایک تہبند کہ سر سے پاؤں تک ہو اور کفنی گردن کی جڑ سے پاؤں تک اور چادر کہ اس کے قد سے سر اور پاؤں دونوں طرف اتنی زیادہ ہو جسے لپیٹ کر باندھ سکیں۔ پہلے چادر بچھائیں اس پر تہبند پھر میت مغسول کا بدن ایک کپڑے سے صاف کریں پھر اس پر

رکھ کر کفنی پہنا کر تہبند لپیٹیں پہلے بائیں طرف پھر داہنی طرف لپیٹیں تاکہ داہنا حصہ بائیں کے اوپر رہے۔ پھر اسی طرح چادر لپیٹ کر اوپر نیچے دونوں جانب سے باندھ دیں اور عورت کے لئے پانچ کپڑے سنت ہیں تین مگر مرد و عورت کے لئے کفنی میں اتنا فرق ہے کہ مرد کی قمیص عرض میں مونڈھوں کی طرف چیرنا چاہئے اور عورت کا طول میں سینہ کے جانب چوتھے اوڑھنی جس کا طول ڈیڑھ گز یعنی تین ہاتھ ہو پانچواں سینہ بند کہ پستان سے ناف بلکہ افضل یہ ہے کہ رانوں تک پہلے چادر اور اس پر تہبند بدستور بچھا کر کفنی پہنا کر تہبند پر لٹائیں اور اس کے بال دو حصہ کر کے بالائے سینہ کفنی کے اوپر لاکر رکھیں اس کے اوپر اوڑھنی سر سے اوڑھا کر بغیر لپیٹے منہ پر ڈالدیں۔ پھر تہبند اور اس پر چادر بدستور لپیٹیں اور چادر اسی طرح دونوں سمت باندھ دیں ان سب کے اوپر سینہ بند بالائے پستان سے ناف بلکہ ران تک باندھے یہ کفن سنت ہے۔ اور کافی اس قدر ہے کہ مرد کے لئے دو کپڑے ہوں تہبند اور چادر اور عورت کے لئے تین کفنی و چادر یا تہبند و چادر۔ تیسرے اوڑھنی اسے کفن کفایت کہتے ہیں۔ اگر میت کا مال زائد اور وارث کم ہو تو کفن سنت افضل ہے اور عکس ہو تو کفن کفایت اولی اور اس سے کمی بحالت اختیار جائز نہیں ہاں وقت ضرورت جو میسر آئے صرف ایک ہی کپڑا کہ سر سے پاؤں تک ہو مرد و عورت دونوں کے لئے بس ہے۔ نابالغ اگر حد شہوت کو پہنچ گیا ہے جب تو اس کا کفن جوان مرد و عورت کے مثل ہے جو بچے اس عمر و حالت کو نہ پہنچے ان میں اگر پسر کو ایک اور دختر کو دو کپڑوں میں کفن دیدیں تو کوئی حرج نہیں اور پسر کو دو اور دختر کو تین دیں تو اچھا ہے اور دونوں کو پورا کفن مرد و عورت کا دیں تو سب سے بہتر۔ اور جو بچہ مردہ پیدا ہوا یا کچا گر گیا اسے بہر طور ایک ہی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دینا چاہئے۔ اور کفن نہ دیں۔ درمختار میں: "یسن فی الکفن لہ ازار و قمیص و لفافۃ ولھا درع ای قمیص و ازار و خمار و لفافۃ و خرقۃ تربط بھا ثدیاھا و بطنھا و کفایۃ لہ ازار و لفافۃ فی الاصح ولھا ثوبان و خمار یکرہ اقل من

ذلک و کفن الضرورۃ لھما ما یوجد و اقلہ ما یعم البدن تبسط اللفافۃ اولا ثم یبسط الازار علیھا و یقمص و یوضع علی الازار و یلف الازارۃ ثم یمینہ ثم اللفافۃ کذلک لیکون الایمن علی الایسر و ھی تلبس الدرع و یجعل شعرھا ضفیرتین علی صدرھا فوقہ الدرع و الخمار فوق الشعر ثم یفعل کما مر و یعقد الکفن ان خیف انتشارہ و المراھق کالبالغ و من لم یراھق ان کفن فی واحد جاز و السقط یلف ولا یکفن اھ ملخصاً"۔ (فتاوی رضویہ جلد چہارم ص ۱۰)

بالا بیان سے واضح کہ کفن کے تین درجے ہیں: (۱) سنت (۲) کفایت (۳) ضرورت، مرد کے لئے سنت تین کپڑے ہیں: لفافہ، ازار، قمیص اور عورت کے لئے پانچ: تین یہ اور اوڑھنی، سینہ بند۔ کفن کفایت مرد کے لئے دو کپڑے ہیں: لفافہ، ازار اور عورت کے لئے تین: لفافہ، ازار اوڑھنی، یا لفافہ، قمیص اوڑھنی کفن ضرورت دونوں کے لئے یہ جو میسر آئے اور کم از کم اتنا تو ہو کہ سارا بدن ڈھک جائے۔ اور نابالغ حد شہوت کو پہنچا ہو بالغ کے حکم میں ہے۔ اور اس سے چھوٹے کو ایک کپڑا اور چھوٹی لڑکی کو دو کپڑے اور بہتر یہ ہے کہ دونوں کو پورا کفن دیں اور جو مردہ پیدا ہو اس کے لئے صرف ایک کپڑا اس بیان سے یہ بھی عیاں ہو گیا کہ آپ کا یہ بیان غلط ہے کہ ہمارے یہاں سنت کے مطابق کفن دیا جاتا ہے جب کہ آپ کے یہاں دو لفافے ازار و کفنی کے علاوہ دیئے جاتے ہیں صرف لفافوں کی کنارے سل دینے سے دو ایک نہیں ہو جائیں گے آپ کی یہ بات کسی کتاب میں نظر نہ آئی اور کپڑوں کے پتلے ہونے کا قول بھی بہت کمزور بات ہے کہ موٹے کپڑے ناپید نہیں ہوئے ہیں۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔

۲۵/۷/۱۴۱۸ھ

☆☆☆

احکام مسجد

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ قاتلی پٹھان مسلمان یا غیر مسلم سے سودی لین دین کرتا ہے کیا اس کے روپیہ سے مسجد کی تعمیر کرنا درست ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی رو سے جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبدالتواب، گھورنا بازار، ضلع ارریہ (بہار)

۶۸/ ۷/ ۹۲

الجواب: بعون الملك الوهاب: یہاں کے غیر مسلم سے ایک کا دو، دو کا چار، چار کا آٹھ، آٹھ کا دس لینا جائز ہے سود نہیں ہے۔ مال مخلوط میں جب تک ہمیں معلوم نہ ہو کہ یہ خاص روپیہ جو ہم کو دیتا ہے وجہ حرام سے ہے اس کا لینا اور مسجد میں صرف کرنا جائز ہے۔ کچھ حرج نہیں۔ "به ناخذ ما لم نعرف شيئا حراما بعينه كما في الهندية عن الذخيرة عن الامام محمد." والله تعالیٰ اعلم بالصواب.

۴/ ۶/ ۱۴۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ سرکار سے جو روپیہ بطور امداد ملتا ہے اس سے مسجد وعید گاہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ خاص کر نیپال میں جو ہندو ملک ہے۔ ساتھ ہی نیپال دار الحرب ہے یا دار الاسلام۔ اگر دار الحرب ہے تو یہاں مسلمانوں کا رہنا کیسا ہے؟ خلاصہ جواب سے کرم فرمایا جائے۔ جواب قرآن وحدیث واقوال ائمہ مجتہدین سے لازم ہے۔ فقط

المرسل: فقیر رحمت علی رضوی

مقام بھیرا، ڈاکخانہ جیلشور، ضلع مہوتری (نیپال)

(۴) ہاں ان سے جو رقم بھی ملے مسجد، عیدگاہ، خانقاہ، مدرسہ، اس سے بنا سکتے ہیں وہ خزانہ سے دیتے ہیں جیب خاص سے تو دیتے نہیں۔ اس میں آپ کا بھی حق ہے کہ خزانہ والی ملک ان کی ذاتی ملک نہیں ہوتی نہ اس کے لینے میں حرج نہ اس سے بنانے میں حرج جب کہ مصلحت شرعیہ کا خلاف نہ ہو بلکہ کسی کافر مشرک نے اپنی جیب خاص سے بھی مسلمان کو روپے دیا اور کہا کہ مسجد بنوا دو جب بھی حرج نہیں۔ فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص: ۴۰۶ پر اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلی رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا فرماتے ہیں ضرور وہ خرچ خزانہ سے ملتا ہوگا نہ کہ راجہ کی جیب سے اور خزانہ والی ملک کی ذاتی ملک نہیں ہوتی اس کے لینے میں حرج نہیں جب کہ کسی مصلحت شرعیہ کا خلاف نہ ہو اور ص: ۳۹۶ پر فرماتے ہیں اگر اس سے (کافر و مشرک نے مسجد بنوانے کی صرف نیت سے مسلمانوں کو روپیہ دیا یا روپیہ دیتے وقت صراحتاً کہہ بھی دیا کہ اس سے مسجد بنوا دو مسلمان نے ایسا ہی کیا وہ مسجد ضرور مسجد ہوگی لانه انما يكون اذنا للمسلم بشراء الالات المسجد بماله وبمجرد هذا لا يصير وكيلاً وان فرض التوكيل فحيث لم يعين جنس المشترى لا يقع الشراء الا للمسلم لان الجهالة الفاحشة تبطل الوكالة. الخ

مذکورہ بالا بیان سے عیاں ہو گیا کہ اس روپے سے مسجد بنوانا جائز ہے اور جب مسجد بنانا جائز ہوگا عیدگاہ بنانا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ رہی یہ بات کہ نیپال دار الحرب ہے یا دار الاسلام اور اس میں رہنے کا حکم کیا ہے؟ تو یہ امر تو متعین ہے کہ ملک نیپال دار الامن ہے جہاں مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔ فرائض و واجبات کی ادائگی میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ حکومت شعائر اسلام کی بجا آوری میں کوئی مداخلت نہیں کرتی۔ اذان واقامت، ونماز جماعت بافراغت ادا کرنے کی بالکل چھوٹ ہے۔ کسی قسم کی مزاحمت نہیں تو جہاں یہ صورت ہو وہاں اقامت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ تفسیر نعیمی پارہ پانچ ص: ۲۵۸ پر ہے اگر کسی جگہ کفار کی سلطنت ہو مگر شعائر اسلامی

سے روکتے نہ ہوں وہاں سے ہجرت لازم نہیں۔ اور اسلام پر عمل کرنا درست ہے۔ اس پر اس کی پکڑ نہیں جیسا کہ الا المستضعفين الخ سے معلوم اور ص: ۳۸۲ پر ہے۔ جو معذور مسلمان دار الکفر سے ہجرت نہ کر سکے اور اس جگہ انہیں رہنے سہنے کی اجازت نہ ملے یا انہیں دار الاسلام کے راستے کی خبر نہ ہو وہ ہجرت نہ کرنے سے گنہگار نہ ہوگا اور تفسیرات احمدیہ ص: ۳۰۲ پر ہے ان فی بدء الاسلام کانت الهجرة البتة واجبة سواء قدر علی اقامة دينه اولا ولا شك فی نسخه وفی هذا الزمان ان لم يتكمن من اقامة دينه بسبب ايدی الظلمة والكفرة یعنی شروع اسلام میں ہجرت ضروری تھی اقامت دین پر قدرت ہوتی یا نہ ہوتی۔ بہرصورت ہجرت فرض تھی اور اس کے منسوخ ہونے میں کوئی شک نہیں اور اس زمانہ میں ظالموں اور کافروں کے ہاتھوں ظلم کے سبب اقامت دین کی قدرت نہ ہو تو ہجرت فرض ہوگی اور یہی حق ہے۔

عینی شرح بخاری ج: ۱ ص ۲۹ پر ہے من كان مقيما ببلاد الكفر ولا يقدر علی اظهار الدين فانه يجب عليه ان يهاجر الی دار الاسلام كما صرح به بعض العلماء جو بلاد کفر میں بود و باش اختیار کئے ہو اور اظہار دین پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اسے دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنا ضروری ہے ایسے ہی بعض عالموں نے تصریح فرمائی اور روح المعانی ج: ۳ ص: ۱۲۶ پر ہے واستدل بعضهم بالآية علی وجوب الهجرة من موضع لا يتمكن الرجل فيه من اقامة دينه وهو مذهب الامام مالك ونقل ابن العربی وجوب الهجرة من البلاد الوثنية وفی كتاب الناسخ والمنسوخ انها كانت فرضا فی صدر الاسلام فنسخت وبقی ندبها واخرج الثعلبی من حديث الحسن مرسلا من فر بدينه من ارض الی ارض وان كان شبرا من الارض استوجبت له الجنة وكان رفيق ابيه ابراهيم ونبيه محمد صلی الله

عليه وسلم اور روح البیان ص: ۲۷۰ میں ہی فی الآية الكريمة ارشاد الی وجوب المهاجرة من موضع لا يتمكن الرجل فيه من اقامة امور دينية بای سبب كان وعن النبی صلی الله عليه وسلم من فر بدينه من ارض الخ قال الحدادی فی تفسير فی قوله تعالی (الم تكن ارض الله واسعة فتهاجروا) فيها دليل انه لا عذر لاحد فی المقام علی المعصية فی بلده لاجل المال والولد والاهل بل ينبغی ان يفارق وطنه وان لم يمكنه اظهار الحق فيه ولهذا روی عن سعيد بن جبير انه قال اذا عمل بالمعاصی بارض فاخرج منها۔

سعدیا حب وطن گرچہ حدیث ست صحیح
نتوان مرد بسختی کہ من اینجا زادم

اور مدارک التنزیل ج: ۱ ص: ۳۲۰ والآية تدل علی ان من لم يتكمن من اقامة دينه فی بلد كما يجب وعلم انه يتكمن من اقامة فی غيره حقت عليه المهاجرة وفی الحديث من فر بدينه من ارض وان كان شبرا من الارض الخ۔

ان مذکورہ بالا تفسیروں کا مفاد بھی یہی ہے کہ جہاں اقامت فرائض سے مجبوری ہو تو وہاں سے منتقل ہو جائے اگر ایک مکان میں معذوری ہو تو دوسرا مکان لے۔ محلہ میں معذوری ہو تو محلہ بدل لے۔ بستی یا شہر میں دشواری ہو تو دوسری بستی یا شہر بدلے۔ ملک میں مشکل ہو تو ملک بدلے خواہ دار کفر ہو یا دار اسلام مقصود اصلی دین بچانا ہے دین کی حفاظت جہاں ہو سکے وہیں مستقر ہو۔ ممکن ہے کہ کوئی اسلامی ملک ہو مگر صاحب اقتدار عقائد و نظریات کے اعتبار سے بگڑا ہوا۔ وہاں منکرات و فواحش کا زور ہو۔ صحیح العقیدہ مسلمانوں کی زندگی دوبھر ہو۔ اپنے فرائض ادا نہ کر پاتے ہوں تو اگرچہ وہ اسلامی ملک کہلاتا ہو وہاں سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے ایسی جگہ

چلا جانا جہاں حفاظت کر سکے فرض ہے۔ خواہ دار خوف دارکفر یا دارامن دارکفر دار اسلام ہو فرض کیجئے کوئی دار کفر ہے اور مسلمان وہاں سے تنگ آکر ہجرت کرنا چاہتا ہے اور کوئی مسلم ملک اسے قبول کرنے کو تیار نہیں ہے جیسا کہ فی زمانا اسلامی، غیر اسلامی ملکوں کا حال ہے۔ مگر ایک ملک جو دارکفر ہے وہ قبول کرتا ہے تو وہ ہجرت دارکفر سے دارکفر کی طرف ہجرت شرعی ہی ہوگی۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہجرت حبشہ کی جانب۔

تفاسیر کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہجرت کا تعلق خاص حالات وواقعات سے ہے۔ یہ حالات وواقعات کسی بستی کسی شہر کسی ملک میں پائے جائیں حکم ہجرت ہوگا ورنہ نہیں۔ جہاں علمائے کرام نے دارالحرب نہ ہجرت فرض بتایا ہے وہاں وہی ملک مراد وہی ملک مراد ہے جہاں مسلمان فرائض دینیہ انجام نہ دے سکے اور ہجرت پر قدرت رکھتا ہو اور دوسرا ملک قبول کرنے کو تیار ہو۔ مگر آج کون قبول کرتا ہے سب کا ایک ہی حال۔ چاہے پاکستان ہو چاہے عربستان ویزا کی مدت ختم آپ کی اقامت کی مدت ختم۔ **هذا ما ظهر لي والله اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب**

۵/۱۱/۱۴۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید تعمیر دکان کے بعد اوپر مسجد کی تعمیر کرانا چاہتا ہے۔ تاکہ مسجد کے اخراجات کرایہ سے پورے ہوں شرعاً کیا حکم ہے۔؟

مستفتی: محمد کلیم الدین برکاتی، وارڈ نگر، کالونی (ایم پی)

۲۸/۷/۹۲

الجواب بعون الملك الوهاب: قبل تمام مسجد مسجد کے نیچے کرایہ کی

دوکانیں یا مکان بنایا جائے کہ ان کی آمدنی مسجد میں صرف ہوگی حرج نہیں اسی طرح مسجد کے نیچے ضرورت مسجد کے لئے تہ خانے بنائے جائیں کہ ان میں پانی وغیرہ رکھا جائے گا یا مسجد کا سامان ان میں رہے گا اس میں بھی حرج نہیں یونہی مسجد کے اوپر قبل تمام مسجد مکان دوکان حوض وغیرہ بنا سکتے ہیں۔ ہاں مسجد ہو جانے کے بعد نہ اس کے نیچے دوکان بنائی جا سکتی ہے نہ اوپر مکان نہ ان کے علاوہ اور کچھ مثلاً ایک مسجد کو منہدم کر کے پھر سے اس کی تعمیر کرانا اور پہلے اس کے نیچے دوکانیں نہ تھیں اور اب جدید تعمیر میں دوکان بنوانا چاہیں تو نہیں بنا سکتے کہ یہ پہلے ہی سے مسجد ہے اب دوکان بنانے کے یہ معنی ہوں گے کہ مسجد کو دوکان بنایا جائے۔ عالمگیری ج ۲ ص ۷ ۴۳ میں ہے: "**ولو كان السرداب لمصالح المسجد جائز كما في مسجد المقدس كذا في الهداية اذا اراد انسان ان يتخذ تحت المسجد حوانيت غلة. المسجد اوفوقه ليس له ذلك كذا في الذخيرة**"

کتبہ: جیش محمد صدیقی برکاتی، دارالافتاء جامعہ حنفیہ غوثیہ، جنکپور

۱۵ رشعبان المعظم ۱۴۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین قبرستان کا کھر مسجد میں لگانا درست ہے۔ یا پھر قیمت دے کر لگانا کیسا ہے؟ دونوں صورت میں استعمال کرنا درست ہے، یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ عین کرم ہوگا۔ فقط والسلام

محمد نسیم رضوی، مقام صمداٹولہ

۱۵/۱۰/۱۹۹۴ء

الجواب بعون الملك الوهاب: بلا شک وشبہ قبرستان کی گھاس اور لکڑی مسجد میں صرف کرنا درست ہے۔ **کما فی الفتاویٰ الرضویہ** ج ۲، ص ۴۹۳،

ج ٦ ص ۴۹۳ مگر جب تک سبز ہو نکا نا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ حکومت نیپال یا نگرپالیکا سے رقم لے کر مسجد کی تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: محمد انعام الحق بلواوی، براٹ نگر (نیپال)

۶۸/ ۷ / ۹۲

الجواب بعون الملک الوھاب: صورت مذکورہ میں نگرپالیکا سے یا ملک کے خزانہ سے رقم حاصل کر کے مسجد ومدرسہ تعمیر کر سکتے ہیں کہ نگرپالیکا یا ملک کی آمدنی کسی کی ذاتی ملک نہیں ہوتی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ اس سوال کے "ہندو راجہ کے پیسے سے مسجد کے چراغ بتی کا کیا حکم ہے؟" جواب میں ارشاد فرمایا "ضرور وہ خرچ خزانہ سے ملتا ہوگا نہ کہ راجہ کی جیب سے اور خزانہ والی ملک کی ذاتی ملک نہیں ہوتا تو اس کے لینے میں حرج نہیں جب کہ کسی مصلحت شرعیہ کا خلاف نہ ہو" ھذا ما عندی والعلم بالحق عند ی واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کو مسجد ومدرسہ کا عوام نے خزانچی بنا دیا اور زید شراب بھی پیتا ہے جوا بھی کھیلتا ہے اور شراب پی کر کے آتا ہے تو امام کے ساتھ گندی گندی باتیں کرتا ہے اور امام صاحب کو اپنا غلام سمجھتا ہے۔ ایسے خزانچی کے اوپر شریعت کا حکم کیا ہے اور جو ایسے لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں ان لوگوں کے اوپر شریعت کا کیا حکم ہے؟ براہ کرم جواب مدلل ومفصل مرحمت فرمائیں قرآن وحدیث کی روشنی میں۔

محمد عبدالرحمن برکاتی، امام مسجد سکھوا بازار (نیپال)

الجواب: بعون الملک الوھاب: کسی مسجد ومدرسہ کا رکن ایسے شخص کو بنانا جو شرابی ہو یا جواری ہو یا بدگو ہو۔ حرام ہے اور سخت حرام اور ایسے لوگوں کا ساتھ دینا بھی حرام توبہ سب پر فرض۔ توبہ نہ کرے تو مقاطعہ ضروری ہے۔

محمد جیش صدیقی برکاتی

۱۴ / ۲ / ۱۴۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مندرجہ ذیل سوالوں کے بارے میں (۱) مسجد کی تعمیراتی کام کو پائے تکمیل تک پہنچانے کے لئے اذان اول کے کچھ دیر بعد یعنی اذان ثانی سے قبل ہمدردان مسجد کی جانب سے بھیجا گیا سامان مثلاً انڈا یا مرغا مرغی وغیرہ کی ڈاک کرنا کیسا ہے؟ جب کہ اس مسئلہ کے متعلق مفتی بہار نے درمیان تقریر فرمایا کہ مسجد میں ڈاک کرنا حرام ہے۔ اس لئے ناچیز مزید روشنی کے لئے حضور والا کی طرف رجوع کیا ہے۔

(۲) چرم قربانی کے رقوم سے مسجد کی تعمیر کرنا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب سے نوازیں۔

(۳) چرم قربانی کا روپیہ کسی کمیٹی کے پاس ہے۔ اور کمیٹی سے قرض لے کر مسجد میں لگانا کیسا ہے؟ جب کہ مسجد کے پاس قرض کی ادائے گی کے کوئی بھی ذرائع آمدنی نہیں ہے؟ ایسی صورت میں قرض لے کر مسجد تعمیر کرنا کیسا ہے مفصل تحریر فرما کر مشکور ہوں۔

المستفتی: محمد عابد حسین چائے والا

مقام و پوسٹ دیودھا، جے نگر، مدھوبنی بہار

(۴) امام کی تنخواہ چرم قربانی وغیرہ کی رقوم سے کمیٹی پوری کرتی ہے امام محلہ کے بچے کو تعلیم بھی دیتے ہیں اور ساتھ میں محلہ کے لوگ مہینہ والی رقم بھی امام کو نہیں دیتے ہیں اس طرح امام کی تنخواہ پوری کی جاتی ہے۔

المستفتی: موصوف مذکور

الجواب: بعون الملک الوھاب: (۱) سورہ جمعہ میں ارشاد ہے:

"یایھا الذین امنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع۔ ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون" اے ایمان والو جب نماز کی اذان ہو جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔

اس آیت کریمہ کے تحت خزائن العرفان میں ہے: "اذان سے مراد اذان اول ہے نہ اذان ثانی جو خطبہ سے متصل ہوتی ہے اگرچہ اذان اول زمانہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اضافہ کی گئی مگر وجوب سعی اور ترک بیع وشراء اسی سے متعلق ہے۔ (کذافی الدرالمختار)

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی اذان ہوتے ہی خرید وفروخت حرام ہوجاتی ہے اور دنیا کے تمام مشاغل جو ذکر الٰہی سے غفلت کا سبب ہوں اس میں داخل ہیں اذان ہونے کے بعد سب کو ترک کرنا لازم ہے۔

پھر فرماتے ہیں: اس آیت سے نماز جمعہ کی فرضیت اور بیع وغیرہ مشاغل دنیویہ کی حرمت اور سعی یعنی اہتمام نماز کا وجوب ثابت ہوا اور خطبہ بھی ثابت ہوا۔ انتہی۔

(۱) حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم وشرائکم وبیعکم وخصوماتکم و رفع اصواتکم۔" اپنی مسجدوں کو بچاؤ اپنے ناسمجھ بچوں اور مجنونوں کے جانے اور خرید وفروخت اور جھگڑوں اور آواز بلند کرنے سے۔ (رواہ ابن ماجہ عن مکحول عن واثلۃ)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اذا رأیتم من یبیع او یبتاع فی المسجد فقولوا لا اربح اللہ تجارتک و اذا رأیتم من ینشد

ضالۃ فی المسجد فقولوا لا رد اللہ علیک" جب تم کسی کو مسجد میں کچھ بیچتے یا مول لیتے دیکھو تو اس سے کہو اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے اور جب کسی کو دیکھو اپنی کوئی گم شدہ چیز مسجد میں لوگوں سے پوچھتا ہے تو اس سے کہو اللہ تجھے تیری چیز نہ ملائے۔ (رواہ الترمذی وقال حسن صحیح)

(۳) دوسری صحیح روایت میں ہے ارشاد فرمایا اس سے کہو لا ردھا اللہ علیک فان المسجد لم تبن لھذا اللہ تیری گم شدہ چیز تجھے نہ ملائے مسجدیں اس لئے نہیں بنی ہیں کہ ان میں آکر گم شدہ چیزوں کی تفتیش کرو۔ (رواہ مسلم)

اور فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۷۷ میں ہے: "و یجب السعی و ترک البیع بالاذان الاول" اسی کے ج ۴ ص ۹۴ میں ہے: "ان لا یشتری ولا یبیع و ان لا یطلب الضالۃ فیہ و ان لا یرفع فیہ الصوت من غیر ذکر اللہ تعالیٰ و ان لا یتکلم فیہ من احادیث الدنیا و ان لا یفرقع اصابعہ فیہ و ان ینزھہ عن النجاسات و الصبیان و المجانین و اقامۃ الحدود و ان یکثر فیہ ذکر اللہ تعالیٰ کذا فی الغرائب الجلوس فی المسجد للحدیث لا یباح بالاتفاق لان المسجد ما بنی لامور الدنیا و فی خزانۃ الفقہ ما یدل علی ان الکلام المباح من حدیث الدنیا فی المسجد حرام قال و لا یتکلم بکلام الدنیا" اسی میں ص ۹۳ پر ہے: "رجل یبیع التعویذ فی المسجد الجامع ویکتب فی التعویذ التوراۃ و الانجیل و الفرقان ویاخذ علیہ المال و یقول ادفع الی الھدیۃ لا یحل لہ ذلک کذا فی الکبریٰ و یکرہ کل عمل من عمل الدنیا فی المسجد ملخصاً" آیت ربانیہ اور احادیث نبویہ اور فتاویٰ عالمگیر یہ سے واضح ہوا کہ جمعہ کی پہلی اذان کے ہوتے ہی سعی واجب ہے اور بیع وغیرہ ان چیزوں کا جو سعی کے منافی ہوں چھوڑ دینا واجب ہے۔

اقول: فقہاء نے یہاں تک فرمایا کہ بعد اذان جمعہ راستہ چلتے ہوئے اگر خرید

وفروخت کی تو یہ بھی ناجائز اور مسجد میں خرید وفروخت تو سخت گناہ ہے فتاوی عالمگیری میں مسجد کے آداب سے گنایا کہ مسجد میں خرید وفروخت نہ کرے۔ گمی ہوئی چیز مسجد میں نہ ڈھونڈھے ذکر کے سوا آواز بلند نہ کرے، دنیا کی باتیں نہ کرے، انگلیاں نہ چٹخائے، نجاست اور بچوں اور پاگلوں سے مسجد کو بچائے اور اس میں حدود قائم نہ کرے اور ذکر الٰہی کی کثرت کرے اور اسی میں ہے کہ مسجد کے اندر تعویذ نہ بیچے کہ ناجائز ہے۔ غرض دنیاوی ہر کام مسجد کے اندر منع ہے کہ وہ عبادت کے لئے بنی ہے نہ تجارت کے لئے۔

بالا بیان سے روز روشن کی طرح سوال مذکور کا بھی حکم عیاں ہوگیا کہ انڈا، مرغا، مرغی وغیرہ کی ڈاک اور اس کی خرید وفروخت مسجد کے اندر جائز نہیں۔

(۲) قربانی کی کھال ہر کار خیر میں صرف کرنا جائز ہے اور مسجد کی تعمیر میں صرف کرنا کار خیر ہی ہے فتاوی رضویہ ج ۸ ص ۴۷۵ میں ہے قربانی کی کھال ہر اس کام میں صرف کر سکتے ہیں جو قربت و کار خیر و باعث ثواب ہو۔ حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قربانی کی نسبت فرماتے ہیں: "**کلوا وادخروا وائتجروا**" کھاؤ اور اٹھا رکھو اور وہ کام کرو جس سے ثواب ہو۔ **(رواہ ابو داؤد)**

(۳) کمیٹی قرض نہیں دے سکتی مگر مسجد میں اس کو صرف کر سکتی ہے۔

فتاوی رضویہ ج ۸، ص ۴۷۷ میں ہے: امام و مؤذن غیر تنخواہ دار کو بطور اعانت چرم قربانی یا اس کی قیمت دینے میں حرج نہیں اور تنخواہ دار کو بھی جب کہ تنخواہ میں نہ دیں یعنی زید نے امام کو نوکر رکھا اور اس کی تنخواہ اس کے ذمہ ہے یہ قربانی کی کھال بیچ کراسے ادا کرے تو اپنا روپیہ بچاتا اور اپنا مطالبہ اس سے کرتا ہے۔ اور یہ تمول ہے اور قربانی سے تمول جائز نہیں ہاں اگر اہل محلہ نے امام و مؤذن کو مسجد کا نوکر رکھا جس کی تنخواہ ذمہ مسجد ہے تو چرم قربانی یا اس کی قیمت مسجد میں دے کر اس سے تنخواہ ادا کر سکتے ہیں۔ **واللہ تعالی اعلم بالصواب**

۱۰/۵/۱۴۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کی زمین میں مسجد بن چکی ہے۔ مسجد کے صحن کے کنارے وضوخانہ اور پیشاب گھر ہے۔ جس کا نقشہ یہ ہے:

مغرب

پیشاب گھر

وضوخانہ

مسجد کے چاروں طرف مسجد کی زمین نہیں ہے۔ کیا مسجد کو کچھ چھوٹی کر کے جانب شرق و غرب مسجد کی آمدنی یعنی امام اور مؤذن کی تنخواہ کے لئے بنی ہوئی مسجد کی زمین میں دو کان بنوا کر کرایہ پہ لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب سے نوازیں۔

محمد قمر الدین خاں رضوی

دار اکین مسجد غوثیہ غریب نواز کشن پورہ، اندور، ایم۔ پی

۷۸۶/۹۲

الجواب: بعون الملک الوھاب: ہرگز نہیں ہرگز نہیں، ہرگز نہیں جو حصہ زمین ایک بار مسجد ہوگیا قیامت تک مسجد ہی رہے گا اس میں تصرف کرنا، مکان و دوکان بنانا حرام حرام سخت حرام اس میں بیع و شرا حرام اس میں اس کے واسطے بیٹھنا حرام اس میں دنیوی باتیں حرام۔ فتاوی رضویہ جلد ششم، ص ۴۶۲ پر ہے: "جو زمین مسجد ہو چکی اس کے کسی حصہ کسی جز کا غیر مسجد کر دینا اگرچہ متعلقات مسجد ہی سے کوئی چیز ہو حرام قطعی ہے۔ **قال تعالی: "وان المسجد للہ"** اسی صفحہ پر ہے اب فرش مسجد کو دو کانیں کرنا چاہتے ہیں یہ حرام اور سخت حرام ہے۔ ان دو کانوں میں بیٹھنا حرام ہوگا ان سے کوئی چیز خریدنے کے لئے جانا حرام ہوگا فنائے مسجد میں دو کانیں کرنے کو تو علماء نے منع فرمایا نہ کہ معاذ اللہ نفس مسجد میں۔ بزازیہ اور ردالمحتار میں ہے: "**لا یجوز ان یتخذ شیئ**

منه مشتغلا. مبسوط السرخسی" اور عالمگیریہ میں ہے: "قیم یرید ان یبنی حوانیت فی فناء المسجد لا یجوز له ذلك لانه یسقط حرمة المسجد لانه فناء المسجد له حکم المسجد" واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

جیش محمد صدیقی برکاتی

۱۲ر۱۲ر۱۴۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ملک نیپال میں ایک گاؤں کچھروا ہے جس کی آبادی دوسو غریب لوگوں کی ہے اور یہاں سو برس سے مسجد قائم ہے لیکن غربت کی وجہ سے مسجد میں پائپ نالی اور امام کے رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ تو کیا اس کام میں سرکاری پیسے خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔ فقط والسلام

آپ کا کفش بردار: محمد ایوب رضا

اراکین مسجد: محمد امین خاں قادری ومحمد اجمل خاں رضوی

مقام کچھروا ضلع بارا نیپال

الجواب بعون الملك الوهاب: خرچ کر سکتے ہیں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۱۴ر۱ر۱۴۱۳ھ

کیا فرماتے علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک مسجد شریف جو تقریباً اسی نوے سالوں قبل بنائی گئی تھی اور بحیثیت مسجد ہی آبادری باضابطہ اس میں پنجگانہ نمازیں ادا ہوتی رہیں اس کے بعد دریا کا آنا ہوا اور مسجد کا پورا حصہ بلکہ اس سے

بھی زیادہ دریا میں چلا گیا کچھ دنوں بعد دریا اپنا رخ دوسری طرف کر لیا۔ اور تقریباً دس پندرہ سالوں سے پھر اس مسجد کے آس پاس لوگ آباد ہونا شروع کر دیئے۔ یہاں اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ اس پاک جگہ کو پاک ہی رکھا جائے اور اس پر پھر سے مسجد کی تعمیر کی جائے لیکن چند اشخاص کا کہنا ہے کہ وہاں مکتب بنایا جائے۔ یہ قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں شرعاً ہمیں فیصلہ دیا جائے کہ اس جگہ مذکور پر مسجد بنے یا مکتب؟ عین نوازش ہوگی۔ فقط

محمد معین الدین ،موتیگیر پرسا، نیپال ،وارڈ نمبر ۵

۹۲ر۷ر۸۶

الجواب بعون الملك الوهاب: جو حصۂ زمین ایک بار مسجد ہو گیا قیامت تک مسجد ہی رہے گا اس کو کسی دوسرے تصرف میں لانا حرام، اس میں نہ مکتب بنا سکتے نہ مدرسہ نہ عیدگاہ نہ جنازہ گاہ نہ قبرستان نہ مکان، نہ دوکان، نہ گزرگاہ، نہ چراگاہ۔ فی شرح الجامع الصغیر للتمرتاشی: "لایجوز تعلیم الصبیان القرآن فی المسجد للمروی جنبوا مجانینکم وصبیانکم مساجدکم انتهی." مسلمانوں پر تا حد قدرت اسے مسجد باقی رکھنا فرض قطعی ہے جو اس میں کوتاہی کرے گا سخت عذاب الٰہی کا مستحق ہوگا۔ "قال اللہ تعالیٰ: "ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیها اسمه وسعی فی خرابها اولٰئك ما کان لهم ان یدخلوها الا خائفین لهم فی الدنیا خزی ولهم فی الاٰخرة عذاب عظیم." اس آیت کریمہ کے تحت خزائن العرفان میں صدر الافاضل علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں: "جو شخص مسجد کو ذکر و نماز سے معطل کردے وہ مسجد کا ویران کرنے والا اور بہت ظالم ہے اسی میں اسی کے تحت ہے مسجد کی ویرانی جیسے ذکر و نماز کے روکنے سے ہوتی ہے ایسے ہی اس کی عمارت کے نقصان پہنچانے اور بے حرمتی کرنے سے بھی۔" (پ ۱، ع ۱۴) قال تعالیٰ: "وان المسٰجد للہ" اور یہ کہ

مسجدیں اللہ ہی کی ہیں یعنی وہ جگہیں جو نماز کے لئے بنائیں گئیں اللہ کی ہیں، مسجد میں بعد تمامی مسجدیت کسی تبدیل کی متحمل نہیں واجب ہے کہ اسے مسجد ہی رکھیں اور مومنوں پر اس کا آباد کرنا فرض ہے۔ اس کے آباد کرنے میں یہ امور بھی داخل ہیں بنانا، جھاڑو دینا، صفائی کرنا، روشنی کرنا، اور مسجدوں کو دنیا کی باتوں سے اور ایسی چیزوں سے محفوظ رکھنا جن کے لئے وہ نہیں بنائی گئیں۔ مسجدیں عبادت کے لئے بنائی گئیں ہیں ان میں عبادت اصل ہے۔ فتاویٰ رضویہ جلد ششم، ص ۴۲۱ پر ہے: "لایجوز تغییر الوقف عن هیأته" اس عبارت سے پہلے فرماتے ہیں بیشک ایسا کرنا حرام قطعی اور ضرور حقوق مسجد پر تعدی اور وقف مسجد میں ناحق دست اندازی ہے شرع مطہر میں بلا شرط واقف کہ اسی وقف کی مصلحت کے لئے کی ہو وقف کی ہیأت بدلنا بھی ناجائز ہے۔ اگر چہ اصل مقصود باقی رہے تو بالکل مقصد وقف باطل کر کے ایک دوسرے کام کے لئے کر دینا کیونکر حلال ہو سکتا ہے۔

اقول: یہ حکم تو اصل مسجد کا ہے یعنی عین مسجد کا ہے۔ فنائے مسجد یعنی وہ جگہیں جو مصالح مسجد ہیں ان جگہوں کی بھی حرمت مثل مسجد ہے۔ اس کے راستے، اس کا کنواں، اس کے وضو کی جگہیں سب برقرار رکھیں ان میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہ ہو ورنہ غفلت و سستی برتنے والے سب عذاب الیم کے مستحق ہوں گے۔ **والعیاذ باللہ! اللھم ھدایۃ الحق والصواب واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔**

کتبہ: محمد جیش محمد صدیقی برکاتی

دار الافتاء الجامعۃ الحنفیۃ الغوثیہ، جنکپور، نیپال

۲۱/ ۶/ ۱۴۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے عید کی نماز پڑھنے

کے لئے کچھ زمین وقف کیا۔ بعد میں گاؤں والوں کا مشورہ یہ ہوا کہ یہ زمین دور ہے اس کو بیچ کر دوسری جگہ خریدی جائے مگر واقف کا کہنا ہے کہ جائز نہیں تو کیا اس زمین کو بیچ کر دوسری زمین خرید سکتے ہیں یا نہیں؟ مفتیان کرام کی بارگاہ میں عرض ہے کہ اس کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں۔ کرم ہوگا!

سائل: محمد علی حسین، سکریٹری گوٹ، کوئل پور، ضلع دھنوشا (نیپال)

ومولوی محمد حبیب برکاتی جدوکھا

۷۸۶/ ۹۲

الجواب: بعون الملك الوهاب: صورت مسئولہ میں زمین بیچ سکتے ہیں کہ یہ جگہ دیہات اور گاؤں ہے اور گاؤں میں عید گاہ کے لئے وقف صحیح نہیں۔ فتاویٰ رضویہ ج ۶، ص ۴۱۶ میں ہے: "ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مذہب میں گاؤں میں عیدین جائز نہیں تو وہاں عید گاہ وقف نہیں ہو سکتی کہ محض بے حاجت و بے قربت بلکہ مخالف قربت ہے تو وہ زمین و عمارت ملک بانیان ہیں۔ انہیں اختیار اس میں جو چاہیں کریں۔ انتہی" **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔**

پنجشنبہ ۱۲/ ۶/ ۱۴۲۳ھ

نائب رسول ذوالجلال حضرت علامہ مفتی اعظم نیپال صاحب قبلہ بعد ادب عرض ہے کہ مندرجہ ذیل سوال کا جواب مکمل عطا فرما کر عند اللہ ماجور ہوں اور ہمیں شکریہ کا موقعہ عطا فرمائیں۔

(۱) زید نے عید گاہ کے لئے ایسی جگہ زمین وقف کی جہاں شرائط عیدین و جمعہ نہیں پائے جاتے۔ زید کو جب معلوم ہوا کہ شرعاً درست نہیں ہے تو زید نے اپنی زمین واپس لے لی۔ زمانہ قدیم سے یہاں ایک عید گاہ موجود ہے جس میں لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ حالیہ وقف شدہ عید گاہ میں ایک بھی نماز نہیں ہوتی ہے۔ اب اس میں کھیتی ہو رہی ہے۔

(۲) عصر کے بعد امام صاحب کنزالایمان پڑھ کر سناتے تھے اور لوگ سمجھے یا نہیں سمجھے مگر سنتے تھے۔ اس پر بکر نے کہا بعینہ اس کی عبارت نقل کر رہا ہوں۔

"بعد نماز عصر کا حالیہ سلسلہ قابل مبارکباد ہے مگر بجائی یہ عجیب وقت آن پڑا ہے۔ کے دین کے خشک مضامین لوگوں کے بدذوقی کے نذر ہو جاتے ہیں۔ ترجمہ تفسیر اور اس کے اثرات کا دو روز گہرا جائزہ لیا اور محسوس کیا کہ سامعین بدذوقی کا مظاہرہ کرتے ہیں کاش اس کی جگہ فیضان سنت کا درس ہوتا اور شروع سے نہیں بلکہ بیان نماز سے آغاز کیا جاتا تو انقلابی اثر مرتب ہوتا آج ملک بھر میں نہ صرف سنی بلکہ وہابی مساجد ہیں فی الوقت اگر وہ کتاب دستیاب نہیں تو بہار شریعت کتاب الصلوٰۃ کا درس شروع فرمائیں اور اس درمیان فیضان سنت حاصل کرلیں۔ کنزالایمان کی طرز تحریر عوام کے لئے کم اور علما کے لئے زیادہ مفید ہے۔ جب کہ فیضان سنت کے انداز سے معمولی انسان بھی اپنے اندر انقلاب محسوس کرتا ہے۔"

دریافت طلب یہ ہے کہ بکر پر توبہ واجب ہے یا نہیں؟ کیا تجدید نکاح و بیعت کی بھی ضرورت؟ فقط

حافظ محمد اسرار الحق

دارالعوم رضائے مصطفی لوکہا، مدھوبنی (بہار)

۸۶ے/ ۹۲

الجواب: بعون الملك الوهاب: (۱) (گاؤں میں عیدگاہ کے لئے زمین وقف کرنا صحیح نہیں مالک زمین کو اختیار ہے اس میں جو چاہیں کریں مکان بنائیں یا زراعت کریں۔ فتاوی رضویہ "جلد ششم ج ۶، ۱۶۴ پر ہے": ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مذہب میں گاؤں میں عیدین جائز نہیں تو وہاں عیدگاہ وقف نہیں ہوسکتی کہ بے حاجت و بے قربت ہے بلکہ مخالف قربت ہے تو وہ زمین وہ عمارت ملک بانیان ہیں۔ انہیں اختیار ہے اس میں جو چاہیں کریں۔ خواہ اپنا مکان بنائیں ہیں۔

انہیں اختیار ہے اس میں جو چاہیں کریں۔ خواہ اپنا مکان بنائیں یا زراعت کریں یا قبرستان کرائیں۔" انتہی **واللہ تعالیٰ علم بالصواب.**

(۲) بکر کا یہ جملہ" دین کے خشک مضامین لوگوں کے بدذوقی کے نذر ہو جاتے ہیں" سخت قبیح و مذموم ہے اس میں قرآنی ترجمہ وتفسیر کی توہین ہے۔ غیر قرآن کو ترجمۂ قرآن وتفسیر قرآن پر ترجیح ہے اس کے بیان سے صاحب ترجمہ کی بھی اعلیٰ شان میں دریدہ دہنی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے بقیہ کلمات بھی ہفوات ہذیانات پر مشتمل ہیں۔ وہابیہ کے پسند سے ہمیں کیا غرض۔

بکر بتا سکتا ہے شمار کرا سکتا ہے کہ کتنے مذہب "فیضان سنت" سے فیض حاصل کر کے بدمذہبیت، وہابیت، دیوبندیت سے تائب ہو کر سنی مسلمان بن گئے ہیں۔ **فاتوا برهانكم ان كنتم صادقين**" بلا شک وشبہ اس کے اقوال بدتر از ابوال دجل وفریب جہالت وضلالت پر مشتمل ہے اس پر توبہ اور تجدید ضرور لازم و واجب ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.**

۱۰/ ۲/ ۱۴۲۲ھ

۹۲/ ۸۶ے

(۱) کیا فرماتے ہیں علماے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مدرسہ کی تعمیر میں یا مدرسہ کے اور کسی مصرف میں غیر مسلم سے چندہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر لینا جائز ہو تو کس صورت سے جائز ہوگا اس کا ثبوت قرآن وحدیث وفقہ کی روشنی میں حوالہ کے ساتھ برائے مہربانی جواب تحریر فرمائیں گے۔ عین نوازش ہوگی۔

آپ کا نیاز مند:

محمد سعید الرحمن رضوی قادری عفی عنہ

الجواب: بعون الملك الوهاب

(۱) دینی کاموں میں نہ لینا چاہیے۔ فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص: ۱۴۸۰ پر بحوالہ جامع الرموز و رد المحتار لا ینبغی ان یستعان بالکفر فی امور الدین یعنی دینی کاموں میں کافر سے مدد نہ لینی چاہیے اور اسی میں ص: ۴۶۰ پر ہے نا مسلم کا عطیہ اس کے اپنے مال سے ہو خصوصاً اپنے اسلامی کام میں نہ لینا چاہیے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: انی نہیت عن زبد المشرکین رواہ ابوداؤد والترمذی عن عیاض بن حمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ وھو حدیث حسن صحیح اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم انی لا اقبل ھدیۃ مشرک رواہ الطبرانی فی الکبیر عن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم انا لا نقبل شیئاً من المشرکین رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ اور صد: ۳۹۶ پر ہے وقد قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انا لا نستعین بمشرک (ہم مشرک سے مدد نہ چاہیں) اور تفسیر نعیمی پ: ۱۰ ص: ۲۰۳ آیت ما کان للمشرکین الخ کے تحت ہے۔ مسجدیں تعمیر کرنے کا حق صرف مسلمانوں کو ہے کسی کافر کو یہ حق نہیں لہٰذا تعمیر مسجد کے لیے چندہ نہ لیا جاوے خصوصاً جب کہ وہ اس عوض میں اتنا یا اس سے زیادہ مسلمانوں سے اپنے مندروں کے لیے چندہ طلب کرے، جیسا کہ آج کل دیکھا جارہا ہے۔ مسجد کی چٹائی وہاں روشنی کے لیے تیل امام یا مؤذن کی تنخواہ مشرک سے قبول نہ کی جاوے، یہ سب خرچ مسلمان خود برداشت کریں۔ اقول ان المدرسۃ کالمسجد فی کونہا من امور الدین فیکون حکمہا کحکمہ۔

اور اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص: ۴۸۴ پر اس سوال "کہ کافر اگر اپنی خوشی سے زمین دیوے کہ اس زمین میں مسجد بنالو یا کوئی سامان دیوے کہ مسجد میں لگالو یا روپیہ دیوے کہ اس کو بھی مسجد میں لگانا تو اس کی یہ چیزیں مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں" کے جواب میں ارشاد

فرمایا۔ الجواب: کافر اگر زمین اپنی ملک میں رکھ کر مسلمانوں کو اس پر مسجد بنانے کی اجازت دے تو وہ مسجد مسجد ہی نہ ہوگی۔ فان الکافر لیس اھلاً لوقف المسجد ہاں اگر وہ کافر کسی مسلمان کو اپنی زمین ہبہ کرے قبضہ دے دے کہ مسلمان مالک ہوجائے اور وہ مسلمان اپنی طرف سے اسے مسجد کرلے تو صحیح ہے۔ سامان اگر کافر ایسا دیا کہ بعینہٖ مسجد میں لگایا جائے گا جیسے کڑیاں یا اینٹیں تو جائز نہیں کہ وہ مسجد کے لیے وقف کا اہل نہیں۔ وہ مال اسی کی ملک رہے گا اور مسجد میں ملک غیر کا خلط صحیح نہیں، ہاں یہاں بھی اگر مسلمان کو تملیک کرے اور مسلمان اپنی طرف لگائے تو حرج نہیں، مسجد میں لگانے کو روپیہ اگر اس طور پر دیتا ہے کہ مسجد یا مسلمان پر احسان رکھتا ہے یا اس کے سبب مسجد میں اس کی کوئی مداخلت رہے گی تو جائز نہیں اور اگر نیازمندانہ طور پر پیش کرتا ہے تو حرج نہیں، جب کہ اس کے عوض کوئی چیز کافر کی طرف سے خرید کر مسجد میں نہ لگائی جائے بلکہ مسلمان بطور خود خریدیں یا راجوں مزدوروں کی اجرت میں دیں اور اس میں بھی اسلم وہی طریقہ ہے کہ کافر مسلمان کو ہبہ کردے، مسلمان اپنی طرف سے لگائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ انتہی کلام الامام اقول وعلیٰ ھذا یقاس حکم المدرسۃ وامور الدین کلہا فی الاستعانۃ بالکافر وبای صورۃ یوخذ مالہ وبای شکل لا یوخذ واللہ اعلم بالصواب۔

کیا حکم ہے علمائے اہل سنت کا کہ ایسا دار العلوم جو نادار و مفلس بچہ کا خرچ اپنے ذمہ لیا ہو اس میں غیر مسلموں کا پیسہ لینا درست ہے یا نہیں برائے کرم تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

المستفتی: مولانا محمد زاہد حسین برکاتی
ناظم اعلیٰ دار العلوم حنفیہ غوثیہ شیر پور مہاراشٹر
۱۶/ ۷/ ۱۴۱۱ھ

الجواب: بعون الملك الوهاب

اگر نیاز مندانہ طور پر پیش کرے تو قبول کرنے میں حرج نہیں اور اگر احسان جتانے کا اندیشہ ہو کہ دیگر طلبہ پر یا مسلمانوں پر یا مدرسہ پر احسان رکھے گا یا اس کے سبب مدرسہ میں اس کی کوئی مداخلت رہے گی تو لینا روا نہیں وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا لا نستعین بمشرك اخرجہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ عن ام المومنین الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بسند صحیح۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ مشرک سے استعانت بالخصوص امور دینیہ میں نہ چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتاب الاضحیہ

جناب مفتی محمد جیش محمد صدیق برکاتی صاحب قاضی نیپال

السلام علیکم ورحمۃ المولیٰ وبرکاتہ

گزارش خدمت ایں کہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ چرم قربانی کی قیمت سے مسجد بنوانا وجانماز خریدنا کنواں کھودنا سڑک بنوانا یا رفاہ عام کے لیے کوئی چیز خریدنا یا کسی دوسرے کام میں پیسہ لگانا جائز نہیں ہے بلکہ اس کا مستحق محتاج غرباء ومساکین فقراء اور وہ مدارس اسلامیہ ہیں جس میں نادار یتیم بچے تعلیم وتربیت اور پرورش پاتے ہیں لیکن بکر کا یہ کہنا ہوتا ہے کہ اس چرم قربانی کی رقم سے مسجد بنوانا جائز ہے۔ لہٰذا حضرت سے التجا ہے کہ برائے کرم اس مسئلہ کا جواب تفصیل کے ساتھ بحوالہ مرحمت فرمائیں کہ چرم قربانی کی رقم مسجد میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ فقط

آپ کے دعا کا طالب

ثمر اللہ خاں اشرفی براٹ نگر

۹۲/ ۸۶ھ

چرم قربانی کی قیمت سے مسجد ومدرسہ پل وسڑک کنواں ومسافر خانہ بنوا سکتے ہیں۔ جانماز خرید سکتے ہیں اور چمڑے کو باقی رکھتے ہوئے خود بھی اپنے کام میں لا سکتا ہے۔ مثلاً اس کی جانماز بنائے چلنی، تھیلی، مشکیزہ، دسترخوان، ڈول وغیرہ بنائے یا کتابوں کی جلدوں میں لگائے۔ قربانی کے چمڑے کو ایسی چیزوں سے بھی بدل سکتا ہے جس کو باقی رکھتے ہوئے اس سے نفع اٹھایا جائے جیسے کتاب کپڑے وغیرہ اس کی کھال امیر و غریب مسلمان کو بھی دے سکتے ہیں۔ امام مسجد کو بھی دے سکتے ہیں۔ اگر تنخواہ کے عوض

نہ دی جائے بلکہ اعانت کے طور پر ہو۔ دینی کام میں صرف کرنے کے لیے روپے کے عوض بیچا یا فقرا پر تقسیم کرنے کی نیت سے بیچا یہ بھی جائز و درست ہے کوئی حرج نہیں۔

ہاں چمڑے کو ایسی چیز سے بدل نہیں سکتے جس کو ہلاک کر کے نفع حاصل کیا جاتا ہے جیسے روٹی گوشت سرکہ وغیرہ اسی طرح اپنی ذات پر یا بال بچوں پر صرف کرنے کے لیے روپے پیسے سے نہیں بیچ سکتے کہ جائز نہیں۔ حدیث شریف میں جو اس کے بیچنے کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد اپنے لیے بیچنا ہے جس نے تمول کے لیے بیچی ہو وہ قیمت فقیروں کو دینا لازم ہے ایسی ہی ہلاک ہونے والی چیزوں کے عوض بیچی ہے تو ان چیزوں کو بھی صدقہ کر دے۔

فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم ج:۱۱ ص:۳۱۰ میں ہے۔ قربانی کی کھال ہر نیک ثواب کے کام میں صرف ہو سکتی ہے۔ حدیث میں ہے: **کلوا وادخروا واتجروا۔** ہاں جس نے دام حاصل کرنے کے لیے بیچ لی ہو اس پر لازم ہے کہ وہ دام فقیروں کو دے۔ حدیث میں ہے۔ **من باع جلد اضحیۃ لا اضحیۃ لہ۔** اور الملفوظ حصہ اول ص:۵۹ پر ہے ایک روز مولوی سعید احمد ابن مولوی فتح محمد صاحب تائب لکھنوی اعلیٰ حضرت مدظلہ سے آ کر دست بوس ہوئے اور قربانی کی کھال کے بارے میں دریافت کیا کہ مدارس میں دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ ارشاد: بلاشبہ اس کا صرف مدرسہ میں جائز ہے مولوی صاحب نے ہدایہ کا قول نقل کیا کہ ان کے نزدیک قربانی کی کھال بیچنے سے اس کی قیمت کا صدقہ واجب ہو جاتا ہے اور صدقات واجبہ کا مصرف مصرف زکوٰۃ ہے اور مصرف زکوٰۃ میں تملیک فقرا شرط ہے، اس پر ارشاد فرمایا کہ یہ اس صورت میں ہے کہ تمول کے لیے بیچے کہ وہ بوجہ تقریب صالح تمول نہ رہی بخلاف اس صورت کے کہ فی سبیل اللہ مصارف خیر میں صرف کے لیے بیچے کہ یہ بھی قربت ہے اور یہاں قربت ہی مقصود ہے۔ علاوہ بریں مدارس میں دینا بیچ کر ہی ضروری نہیں، اکثر کھالیں مدارس میں بھیج دیتے ہیں اور کھال تو غنی کو بھی دے سکتا ہے پھر مدرسہ دینیہ نے کیا قصور

کیا ہے۔ انتہی

بہار شریعت حصہ پانزدہم ص:۱۴۴ پر ہے قربانی کا چمڑا اپنے کام میں بھی لا سکتا ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ کسی نیک کام کے لیے دے دے۔ مثلاً مسجد یا دینی مدرسہ کو دے دے یا کسی فقیر کو دے دے۔ بعض جگہ یہ چمڑا امام مسجد کو دیا جاتا ہے اگر امام کی تنخواہ میں نہ دیا جاتا ہو بلکہ اعانت کے طور پر ہو تو حرج نہیں۔ ہدایہ آخرین ص:۴۳۴ پر ہے: **ویتصدق بجلدھا لانہ جزء منھا اویعمل منہ آلۃ تستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال ونحوھا لان الانتفاع بہ غیر محرم ولا باس بان یشتری بہ ماینتفع بہ فی البیت بعینہ مع بقائہ استحسانا وذالک مثل ماذکرنا لان للبدل حکم المبدل ولا یشتری بہ مالا ینتفع بہ الابعد استہلاکہ کالخل والا بازیر اعتبارا بالبیع بالدراھم المعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح ولو باع الجلد واللحم بالدراھم او بما لاینتفع بہ الابعد استہلاکہ تصدق بثمنہ لان القربۃ انتقلت الی بدلہ وقولہ علیہ السلام من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ یفید کراھۃ البیع اما البیع جائز لقیام الملک اوالقدرۃ علی التسلیم** اور حاشیہ کنز الدقائق ص:۴۶۶ بحوالہ زیلعی میں ہے: **والا یبیعہ بالدراھم لینفق الدراھم علی نفسہ وعیالہ والمعنی فیہ انہ لایتصرف علی قصد التمول واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح حتی لا یبیعہ بما لا ینفع بہ الابعد الاستہلاک ولو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق بالجلد واللحم انتھی وفی مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر الی قولہ بعد الاستہلاک** اور در المنتقی میں ہے: **وفی المحیط لا باس ببیعہ بالدراھم لیتصدق بھا لینفقھا علیہ فلو فعل تصدق بھا اور الاختیار لتعلیل**

المختار الجزء الخامس ص:۲۰ میں ہے: وينتفع بجلدها مايفرش ويقام عليه ويعمل منه آلة تستعمل كالقربة والدلو والسفر لما روى ان عائشة اتخذت من اضحيتها سقاء ويشترى به آلة كالمنخل والغربال ولا يشترى به ما لا ينتفع به الا بالاستهلاك كالابازير ونحوها لان المأثور ان ينتفع به او يبدل له مع بقاء عينه ولا يبيعه لقوله عليه الصلوٰة والسلام من باع جلد اضحية فلا اضحية له فان باعه بشئ من النقود يتصدق به لان وقت القربة قد فات فيتصدق به كذا رواه محمد اور عنايه وكفايه شرح هداية جلد۸ ص:۴۳۷ پر ہے وروى ابن سماعة عن محمد رحمهما الله انه لو اشترى باللحم ثوبا فلا باس بلبسه وزاد فى الكفاية وهذا هو اختيار صاحب الهداية۔ اور عالمگیری ج:۴ ص:۸۲ پر ہے: ولا يبيعه بما لا ينتفع به الا بعد الاستهلاك ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز لانه قربة كالتصدق كذا فى التبيين وهكذا فى الهداية والكافى واقول هكذا فى المختار ورد المحتار وبدائع الصنائع.

ان تشریحات سے زید کے قول کا بطلان اظہر من الشمس اور ابین من الامس۔ ہوگیا اور ثابت ہوگیا کہ قربانی کی کھال ہر مصارف خیر میں صرف کر سکتے ہیں اور اس کا صرف کرنا جائز و درست ہے۔ ہاں جب اپنے لیے یا اپنے اہل وعیال کے لیے بیچ یا ایسی چیزوں کے عوض بیچے کہ بلا استہلاک ان سے نفع حاصل کر سکتے تو انہیں صدقہ ہی کرنا لازم واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب.

۲۴/ ۱/ ۱۴۱۱ ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ میرے

گاؤں کے سارے مسلمان ایک باغ میں عیدین کی نماز ادا کرتے تھے اسی درمیان گاؤں کے ایک شخص بکر نے عیدگاہ کی نام سے زمین وقف کر کے انتقال کر گئے پھر بھی نماز باغ ہی میں ہوتی رہی تو گاؤں کے لوگوں نے بکر کے داماد زید کو کہا کہ عیدگاہ بنوا دیجئے زید نے زمین فروخت کر کے ایسی جگہ عیدگاہ کے لئے انتخاب کیا اور اتنی چھوٹی عیدگاہ بنوائی کہ گاؤں کے اکثر لوگ اعتراض کر دیئے کہ یہاں پر عیدگاہ ٹھیک نہ ہوگی کہ اس کے دونوں طرف سرکاری روڈ ہے۔ اب روڈ ہونے کی وجہ سے عیدگاہ کی بے عزتی ہونے لگی جیسے خنزیر کا اس میں داخل ہونا گاڑی والے کا عیدگاہ کی اینٹ اکھاڑ کر لیجانا اس میں پوال کا ٹال لگوانا طرح طرح کی بے حرمتی اور جگہ کی تنگی اور مناسب جگہ نہ ہونے کی وجہ سے لوگ اعتراض کرتے چلے آرہے تھے کہ اسی درمیان عیدگاہ کی عمارت خستہ ہونے کی وجہ ایک طرف کی دیوار کی اینٹ لوگ لے گئے عیدگاہ کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر اہل بستی نے مشورہ کیا۔ عیدگاہ چھوڑنے کا پلان بنایا اور تیسری جگہ کا انتخاب کر کے اس زمین کو عیدگاہ کے لئے بھروالیا جو زمین کسی شخص کی ہے اور وہاں بے حرمتی کا اندیشہ نہیں۔ اس عیدالاضحیٰ کی نماز مسلمانوں نے پڑھی کچھ دنوں بعد زید نے ایک مولانا سے مسئلہ دریافت کیا مولانا نے فرمایا کسی بھی حال میں عیدگاہ کا چھوڑنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہاں کی زمین اور اینٹ روئے گی۔ اور بنوانے والے کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ زید یہ بات سن کر صاف کہہ دیا کہ ہم نئی عیدگاہ کی بھری زمین میں نماز نہیں پڑھیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گذشتہ عیدالفطر میں نماز دو جگہ ہوگئی گاؤں کے زیادہ تر لوگ نئی عیدگاہ میں نماز ادا کی اور کمتر لوگ پرانی عیدگاہ کو چھوڑ کر مسجد میں نماز عید ادا کی اکثر لوگوں کا کہنا ہے کہ پرانی عیدگاہ کی زمین روئے گی تو نئی عیدگاہ کی زمین بھی روئے گی۔ زید کا کہنا ہے کہ ہمارے چچا نے زمین وقف کی ہے زمانہ تک اس میں نماز عید پڑھی گئے ہے مجھے معلوم نہ تھا کہ اس لئے ایک نماز میں نے وہاں پڑھ لی ہے۔

امر طلب یہ ہے کہ مندرجہ بالا وجہوں سے عیدگاہ کی عمارت دوسری جگہ بنائی

جاسکتی ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ موجودہ عیدگاہ میں سب آدمی کی گنجائش نہیں ہے۔ اور سرکاری زمین زیادہ ہے اور اپنی زمین کم گاؤں کی اکثریت نئی جگہ اور اقلیت پرانی جگہ پر متفق ہیں۔ حضور سے گذارش ہے کہ جلد جواب سے نوازیں تاکہ گاؤں کا تنازع ختم ہو اور آنے والی عید الاضحیٰ کی نماز ایک جگہ ہو۔ فقط

المستفتی: عبد الرؤف، مقام پروابا، پوسٹ اندولی، ضلع سیتامڑھی (بہار)

۲۹ / ۴ / ۱۹۹۴ء

۶۸ / ۷ / ۹۴

الجواب: بعون الملك الوهاب: احادیث کریمہ وکتب فقہیہ معتبرہ مشہورہ کے مطالعہ سے روشن ومنور کہ عیدین کی نماز کے لئے نہ عیدگاہ خاص لازم و واجب اور نہ کوئی وقفی زمین کہ یہ نہ عیدین کے واجبات سے ہے اور نہ سنن ومستحبات سے۔ سنت بس اس قدر ہے کہ نماز عیدین شہر کے باہر صحرا میں ہو چاہے جہاں ہو گنجائش کی جگہ ہو جہاں شوکت وکثرت مسلمین اور شعار الاسلام کا اظہار و اعلان زیادہ سے زیادہ ہو جگہ تنگ نہ ہو۔ دلائل ملاحظہ ہو: آج سے ساڑھے چار سو سال پہلے حضرت علامہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ والرضوان اپنی کتاب مستطاب اشعۃ اللمعات ج ۱، ص ۵۸۷ پر اس حدیث شریف کے تحت فرماتے ہیں: "عن ابی سعید الخدری قال كان النبی صلی الله علیه وسلم یخرج یوم الفطر و الاضحی الی المصلی آنحضرت کہ بیرون می آمد روز عید فطر و روز عید قرباں بسوئے مصلی کہ جائے مشہور است و در مدینہ بیرون شہر کہ آنجا نماز عید می گذارند وال آں چہار دیواری گرد آں کشیدہ اند ومیگویند مسافت از حجرہ شریف تا آنجا ہزار قدم است و نماز عید در مسجد شریف می گذارند انتہی۔" اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ حضور پر نور سید کائنات فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جس عیدگاہ میں نماز ادا کرتے تھے جس عیدگاہ کا فاصلہ آپ کے آرامگاہ

سے ہزار قدم ہے اب وہاں نماز عید نہیں ہوتی بلکہ مسجد نبوی شریف میں ہوتی ہے ہاں جہاں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نماز عید ادا کرتے تھے وہ چہار دیواری سے گھیر دی گئی اور اب نماز وہاں نہیں ہوتی اسی کتاب مستطاب شریف کی ج ۱ ص ۶۰۴ پر ہے: "وعنه انه اصابهم مطر فی یوم عید فصلی بهم النبی صلی الله علیه وسلم صلاة العید فی المسجد۔" "وہم از ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ست کہ شان ایں ست کہ رسید مردم را باراں در روز عید پس بگذارد آنحضرت نماز عید را در مسجد ظاہر ازیں عبارت آنست کہ نماز اعیاد در جبانہ افضل است از نماز مسجد مگر بعذرے ال آں جاری شدہ است عادت اہل مدینہ طیبہ و ہمچنین مکہ معظم نماز گذاردن در مسجد شریف وحرم منیف رواہ ابوداؤد وابن ماجہ۔"

یعنی یہ حدیث پاک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ عہد رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عید کے دن بارش ہو گئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز عید مسجد شریف میں پڑھائی اور عیدگاہ شریف نہیں لے گئے۔ اس کے تحت حضرت شیخ قدس سرہ فرماتے ہیں۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز عید صحرا میں افضل ہے مسجد کے اندر ادا کرنے سے مگر جب کوئی عذر ہو۔ پھر فرماتے ہیں لیکن اس باشندگان مدینہ طیبہ اسی طرح ساکنان مکہ مکرمہ مسجد شریف اور حرم شریف میں عیدین کی نماز ادا کرتے ہیں اور عادتا ادا کرتے ہیں یعنی اس عیدگاہ میں نہیں ادا کرتے جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین ادا کرتے تھے۔

اقول: وباللہ التوفیق اگر اس تفریق بین المسلمین کرنے والے مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے والے صاف صریح غلط مسئلہ بیان کرنے والے اپنی طرف سے شریعت گڑھنے والے بلکہ شرع شریف پر افترا کرنے والے یہ بات کہ کسی حال میں عیدگاہ کا چھوڑنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہاں کی زمین و اینٹ روئے گی اور بنوانے

والے کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم و العیاذ باللہ رب العلمین!

صحیح ہوتی اور کسی بھی حال میں عید گاہ کا چھوڑنا روا نہ ہوتا تو پھر حضور سرورکائنات فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بارش کے دن عید گاہ کیوں چھوڑ دی اور مسجد شریف میں کیوں نماز عید پڑھی؟ عید گاہ کی زمین کے رونے دھونے کی طرف کیوں توجہ نہ فرمائی؟

ثم اقول: وباللہ التوفیق اگر اس مدعی نام کے مولوی کا قول درست ہوتا تو ضرور بالضرور مخزن برکات ینبوع کرامات برکت مصطفی عارف باللہ قدوۃ المحدثین حامل لواء الحق والدین علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۹۵۸ھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا فرماتے ہیں کہ جب سے مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے ساکنان عید گاہ چھوڑ کر پھر وہ کون عید گاہ جسے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین مہدیین اور دیگر صحابہ کرام نے منتخب کیا ہاں وہ جس میں تاحیات دونوں جہاں کے آقا مولیٰ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نماز عید پڑھتے رہے۔ اب وہاں نہ پڑھ کر مسجد شریف اور حرم شریف کی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں تو اس دن سے وہ عید گاہ کی زمین آنسو بہا رہی ہے۔ اور یہ لوگ اس کو چھوڑ کر گناہ اور ناجائز کر رہے ہیں اور کئی سو برس سے مبتلائے معصیت ہو رہے ہیں؟ معاذ اللہ رب العلمین ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلیم العظیم۔

بریں عقل و فتویٰ بباید گریست

علامہ بدرالدین کی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کے ج ۶ ص ۲۸۱ پر اسی حدیث شریف کے تحت ہے: "فیہ البروز الی المصلی و الخروج الیہ ولا یصلی فی المسجد الا عن ضرورۃ و روی ابن زیاد عن مالک قال السنۃ الخروج الی الجبانۃ الا لاہل مکۃ ففی المسجد قال الشافعی فی الام بلغنا ان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یخرج فی العیدین الی المصلی بالمدینۃ و کذا من بعدہ الا من عذر مطر و نحوہ و کذا عامۃ اہل البلدان الا مکۃ شرفہا اللہ تعالیٰ۔"

اور علامہ ابو العباس شہاب الدین قسطلانی کی ارشاد الساری شرح صحیح البخاری ج ۲، ص ۲۲۷ پر ہے: "کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخرج یوم الفطر ویوم عید الاضحی الی المصلی موضع خارج باب المدینۃ بینہ و بین باب المسجد الف ذراع قالہ ابن شیبۃ فی اخبار المدینۃ عن ابی سان صاحب مالک۔" زیر عبارت علامہ قسطلانی فرماتے ہیں: "و استدل بہ علی استحباب الخروج الی الصحراء لاجل صلاۃ العید وان ذلک افضل من صلاتہا فی المسجد لمواظۃ علیہ الصلوٰۃ و السلام علی ذلک مع فضل مسجدہ و ہذا مذہب الحنفیۃ و قال المالیۃ و الحنابلۃ تسن فی الصحراء الا بمکۃ فبالمسجد الحرام لسعتہ و قال الشافعیۃ فعلہا فی المسجد الحرام و بیت المقدس افضل من الصحراء تبعاً للسلف و الخلف ولشرفہما ولسہولۃ الحضور الیہما ولوسعہما۔"

اور علامہ حافظ احمد ابن علی ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری شرح صحیح البخاری کی ج ۲، ص ۵۲۲ پر ہے: "و استدل بہ علی استحباب الخروج الی الصحراء لصلاۃ و العید و ان ذلک افضل من صلاتہا فی المسجد لمواظبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ذلک مع فضل مسجدہ و قال الشافعی فی الامام بلغنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یخرج فی العیدین الی المصلی بالمدینۃ و کذا من بعدہ الا من عذر و نحوہ و کذلک عامۃ اہل البلدان الا اہل مکۃ ثم اشار الی ان سبب ذلک سعۃ المسجد و ضیق اطراف مکۃ قال عمر بلد فکان سمجد اہل یسعہم فی العید لم

اران یخرجوا منہ فان کان لایسعھم کرھت الصلاۃ فیہ و اعادۃ و مقتضی ھذا ان العلۃ تدور علی الضیق و السعۃ لابذات الخروج الی الصحراء لان المطلوب حصول عموم الاجتماع فان حصل فی المسجد مع افضلیتہ کان اولی۔"

علامہ شیخ محی الدین ابو ذکی یحیٰ ابن شرف نووی صحیح مسلم شریف کی شرح ج ۱، ص ۲۹۰ پر زیر حدیث بالا ارشاد فرماتے ہیں: "ھذا دلیل لمن قال باستحباب الخروج لصلوۃ العید الی المصلی و انہ افضل من فعلھا فی المسجد وعلی ھذا عمل الناس فی معظم الامصار و اما اھل مکۃ فلا یصلونھا الا فی المسجد من الزمن الاول و لاصحابنا وجھان احدھما الصحراء افضل لھذا الحدیث و الثانی وھو الاصح عند اکثرھم المسجد افضل الا ان یضیق قالوا و انما صلی اھل مکۃ فی المسجد لسعۃ و انما خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم المصلی لضیق المسجد فدل علی ان المسجد افضل اذا اتسع انتھی۔"

علامہ عینی قسطلانی عسقلانی نووی کی مذکورہ عبارتوں کو دیکھئے کہ فرماتے ہیں عیدین کی نماز مطلقاً بیرون شہر پڑھنا افضل ہے کوئی کہتے ہیں کہ مسجد میں افضل مگر جب جگہ تنگ ہو تو عیدگاہ میں بیرون شہر افضل ہے۔

حاصل یہ ہے کہ نماز عید جہاں پڑھے جائے ہو جائے گی۔ اس کی مثال نماز نفل ہے اس کا پڑھنا گھر میں افضل ہے: "عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا قضی احدکم الصلاۃ فی مسجدہ فلیجعل لبیتہ نصیبا من صلاتہ فان اللہ جاعل فی بیتہ من صلاتہ خیرا۔"

"دوسری حدیث میں ہے: "قال اجعلوا من صلاتکم فی بیوتکم و لا تتخذوھا قبورا۔" تیسری حدیث ہے: "فی بیوتکم و لا تتخذوھا قبورا۔"

چوتھی حدیث ہے: "افضل الصلاۃ المرأ فی البیت الا المکتوبۃ۔" پانچویں حدیث: "قال لاتجعلوا بیوتکم مقابر۔"

ان احادیث کریمہ کی روشنی میں علماء فقہا فرماتے ہیں کہ نماز نفل کا گھر میں پڑھنا افضل ہے۔ مثلاً کوئی شخص گھر میں نماز نفل ایک مدت تک پڑھتا رہا مگر اب بچوں کے شور و غوغا یا جگہ کی تنگی کے باعث مسجد ہی میں پڑھ لیتا ہے یا اس وجہ سے کہ گھر جا کر کہیں کوئی مانع پیش آ جائے تو وہ مسجد میں ادا کر لیتا ہے۔ تو کیا گھر میں زمین روئے گی؟ آہ و فغاں کرے گی اس کے بعد اس کا نام و نشان مٹ جائے گا؟ و لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

وہ شخص جس نے یہ جھوٹا مسئلہ بتایا اس حدیث کا مصداق ہے: "ضلوا فاضلوا" اس کی باتیں کان دھرنے کی لائق نہیں یہ بیان کتب احادیث کریمہ اور ان کے شروح سے تھا۔ اب کتب فقہ کا مطالعہ کریں۔ بدائع الصنائع ج ۱، ص ۲۷۵ پر ملک العلماء علامہ علاء الدین کاسانی فرماتے ہیں: "و اما صلاۃ العید فانھا تودی فی الجبانۃ۔" اور درمختار شرح تنویر الابصار ج ۱، ص ۶۱۲ پر علامہ علاء الدین حصکفی فرماتے ہیں: "خروجہ ماشیا الی الجبانۃ و ھی المصلی العام و الخروج الیھا ای الجبانۃ لصلاۃ العید سنۃ وان سعھم المسجد الجامع ھو الصحیح۔" ردالمحتار میں ہے: "قولہ المصلی العام ای الصحراء بحر عن المغرب۔" اور حاشیہ مراقی الفلاح ص ۲۳۵ پر علامہ سید احمد طحطاوی فرماتے ہیں: "فان خصوص التوجہ الی المصلی مندوب و ان وسعھم المسجد عند عامۃ المشائخ و ھو الصحیح و قد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج فی صلاۃ العید الیہ وھو موضع معروف بالمدینۃ بینہ وبین باب المسجد الف ذراع کما فی العینی علی البخاری۔" اور فتح القدیر ج ۲، ص ۴۱ پر محقق علی الاطلاق کمال الدین فرماتے ہیں: "و السنۃ ان یخرج الامام الی

الجبانة."

کتب فقہ کی ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ عیدگاہ کے اندر نماز عید نہ فرض نہ واجب نہ سنت نہ مستحب۔ فتاویٰ رضویہ ج ۳، ص ۸۰۶ پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں: "زمین وقف کردہ میں پڑھنا نہ عیدین کے سنن سے ہے، نہ مستحبات سے، سنت اس قدر ہے کہ صحراء میں ہو۔" و قد کان المصلی فی زمنه صلی الله علیه وسلم و زمن الخلفاء الراشدین رضی الله عنهم من عادی الارض بغیر وقف وبناء۔" اسی میں ہے محاط ہونا مفہوم مصلی میں داخل نہیں: "لما قدمنا ان الصلاة فی زمنه صلی الله علیه وسلم و زمن الخلفاء کانت فی ارض بیضاء بدون بناء و ما فی القهستانی فله العادة الحادثة بناء قصد به التعریف لا اشتراط بناء۔" اسی میں ج ۳، ص ۹۸ پر ہے: "زمانہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مصلائے عید کف دست میدان تھا جس میں اصلاً تعمیر نہ تھی۔ مدینہ طیبہ کے شرقی دروازے پر کما فی المقصد التاسع من المواهب۔ مسجد اطہر کے باب السلام سے ہزار قدم کے فاصلہ پر کما فی الزرقانی عن فتح الباری اسی میں ہے: "اصل سنت کہ نماز عیدین بیرون شہر جنگل میں ہو شارع علیہ الصلاۃ والسلام اس میں حکمت اظہار شعار اسلام وشوکت و کثرت مسلمین رکھی ہے۔" اسی میں ج ۳ ص ۸۱۰ پر ہے: "نماز عید ایک شہر میں متعدد جگہ گرچہ بالاتفاق روا ہے مگر ایک شہر کے لئے دو عیدگاہ بیرون شہر مقرر کرنا زمان برکت نشان حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اب تک معہود نہیں۔ نہ زنہار اس میں شرع مطہر و دین منور کی کوئی مصلحت خصوصاً ایسی چھوٹی مسجد میں تو اگر اس میں اس کے سوا کوئی نہ ہوتا تو اسی قدر اس فعل کی کراہت کو بس تھا کہ بے ضرورت شرعی و مصلحت دینی خلاف متوارث مسلمین ہے۔ اور ایسا فعل ہمیشہ مکروہ ہوتا ہے۔ انتہی بقدر حاجت۔

یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ دیہات میں عیدگاہ کے لئے زمین کا وقف صحیح نہیں

ہے وہ ملک مالک ہی میں رہتی ہے کبھی بھی جو چاہے کرے اس جگہ مدرسہ یا مکتب یا مہمان سرائے جو چاہے بنائیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ فتاویٰ رضویہ ج ۶، ص ۴۱۶ میں ہے: "تو وہاں (یعنی دیہات میں) عیدگاہ وقف نہیں ہو سکتی کہ محض بے حاجت و بے قربت بلکہ مخالف قربت ہے تو وہ زمین و عمارت ملک بانیان ہیں۔ انہیں اختیار ہے اس میں جو چاہیں کریں۔ خواہ اپنا مکان بنائیں یا زراعت کریں یا قبرستان کرائیں۔ اور اب وہاں دوسری عیدگاہ بنائیں گے اس کی بھی یہی حالت ہوگی در مختار میں ہے: "فی القنیة صلاة العید فی القری تکره تحریما ای اشتغال بما یصح۔" اسی کی کتاب الوقف میں ہے: "شرطه ان یکون قربة فی ذاته و الله تعالیٰ اعلم بالصواب.

اور ج ۶، ص ۴۵۵ پر ہے: "اتصال صف کے سوا اور احکام میں وہ (عیدگاہ) مسجد ہی نہیں ولہذا جنب کو اس میں جانا منع نہیں درمختار علی ہامش ردالمحتار مطبع قسطنطنیہ جلد اول ص ۶۸۷: "المتخذ لصلاة جنازة او عید مسجد فی حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقا بالناس لا حق غیره به یفتی نهایة فحل دخوله لجنب وحائض کفناء مسجد ورباط ومدرسة۔"

بالاییان سے عیاں ہوا کہ دیہات میں عیدگاہ کے لئے وقف صحیح نہیں اگر وہاں عیدگاہ بنالیا جب بھی اختیار ہے اس کے واقف کو کہ جو چاہے کرے اگر وقف صحیح بھی ہو اور وہاں عیدگاہ بنالیا تو اس کی حیثیت مسجد جیسی نہیں بلکہ فناء مسجد و رباط و مدرسہ جیسا ہے اس میں حائض و جنب جا سکتے ہیں ان میں رد و بدل ہو سکتا ہے۔

الحاصل صورت مستفسرہ میں نہ باغ والی زمین پر نماز پڑھنا ضروری، نہ اس تنگ عیدگاہ میں بلکہ جہاں خوب وسعت ہو شعار اسلامی کا اظہار زیادہ سے زیادہ بیرون شہر کثرت آراء مسلمین جہاں ہو وہیں عیدین کی نمازیں ادا کریں اور اس غلط مسئلہ بتانے والے پر توبہ فرض ہے کہ اس نے بلاعلم فتویٰ دے کر مسلمانوں کے درمیان

پھوٹ پیدا کر دیا اور خدائے قہار و جبار سے نہ ڈرا جس کا کسی کتاب میں نشان نہیں، اپنی طبیعت سے گڑھ کے بتایا: "**ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ! واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ والیہ المرجع والمآب۔**"

۳/۱۲/۱۴۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ شہر کی آبادی میں ایک چھوٹا قبرستان ہے جس میں بارش کے ایام میں پانی جمع ہو جاتا ہے مردہ کو دفن کرنے میں کافی دقت ہوتی ہے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ تین فٹ مٹی بھروایا جائے اس کا فیصلہ بھی ہوگیا ہے لیکن مٹی کس طرح بھروانا ہے وہ مسئلہ معلوم نہیں ہے۔ کچھ گاڑی سے مٹی لے کر قبرستان میں اندر بھروانا چاہتے ہیں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ گاڑی قبرستان میں کیسے جائے گی قبر پر گاڑی لے جانا اچھا نہیں ہے۔

اب امر طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیسے مٹی بھروائی جائے؟ مفصل جواب سے نوازیں۔

المستفتی: محمد حبیب الرحمن، براٹ نگر-۲ (نیپال)

۶۸/۷/۹۲

الجواب: بعون الملک الوہاب: (۱) احادیث کریمہ وکتب فقہ میں قبور مسلمین کے احترام کا حکم ہے مسلمانوں کی قبروں کو ہموار کرنا اس پر چلنا پھرنا سب منع ہے۔ مگر یہاں حفاظت مطلوب ہے اور بحکم "**الضرورات تبیح المحظورات**" صورت مستفسرہ میں اس امر کی اجازت ہو سکتی ہے کہ گاڑی جہاں قبر ہے نہ لے جائیں بلکہ قبرستان کے کنارے اس سے مٹی گرائیں پھر اندرون قبرستان نرمی اور آہستگی سے مٹی ڈالیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ جو قبرستان کا فتوٰی پیچھے لکھا ہے اسی قبرستان میں جنگل یعنی لکڑی جس کو کٹوا کر جمع کیا گیا تھا جس سے تین گاڑی لکڑی اسی گاؤں کے مدرسہ کے مدرس و امام صاحب بلا اجازت خود اٹھا کر لے گئے پوچھنے پر کمیٹی والوں کو صاف جواب دیا کہ میں یہاں کا امام ہوں میں کس سے پوچھوں گا۔ مسئلہ ذیل میں جواب عنایت فرمائیں کیا ایسے امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: حبیب الرحمن، براٹ نگر (نیپال)

۶۸/۷/۹۲

الجواب بعون الملک الوہاب: قبرستان کے وہ جنگل خود اُگے ہیں یا کسی نے اُگائے معلوم نہیں تو وہ قبرستان کے ہی قرار پائیں گے قاضی کے حکم سے بیچ کر اسی قبرستان کی درستگی میں صرف کیا جائے امام یا مدرس کو ہرگز اس کا حق نہیں پہنچتا کہ قبرستان کی اشیاء لے جائے اور جو چاہے کرے۔ **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ!** امام کا قول جہالت پر مبنی ہے توبہ کرے اور کمیٹی والوں سے جنھوں نے درخت کٹوائے معافی مانگے اور قبرستان کی لکڑیاں قبرستان کو واپس کرے۔ امام صاحب کو عالمگیری یا بہار شریعت حصہ دہم کا ص ۸۷ بیان قبرستان دکھائیں۔ مان گئے فبہا ورنہ قابل امامت نہیں کہ ظالم ہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔**

۱۷/۱۱/۱۴۲۱ھ

☆☆☆

کتاب الصوم

باب الھلال

جدید ذرائع ابلاغ سے چاند کا ثبوت:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جدید ذرائع ابلاغ مثلاً ریڈیو، انٹرنیٹ، فیکس، موبائل فون اور ٹیلی ویژن کے ذریعے چاند کا ثبوت ہوسکتا ہے یا نہیں ان سب صورتوں میں استفاضہ کا تحقق ہوتا ہے یا نہیں جس کا اعتبار شریعت مطہرہ میں ہے؟

سائل: ابوالعطر محمد عبدالسلام امجدی برکاتی

تاراپٹی دھنوشہ (نیپال)

الجواب بعون الملک الوھاب: سبحانہ ما اعظم شانہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من ارسلہ ھدیً فاوضح الدلالۃ وازاح الجھالۃ وعلق الصیام والافطار برویۃ الھلال وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وعلماء ملتہ واولیاء طریقتہ اجمعین امابعد

بعض علماء نے آلات جدیدہ کے ذریعے موصول خبروں کو استفاضہ پر بنا کرتے ہوئے ثبوت چاند کے لئے معتبر مانا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ان صورتوں میں خبر استفاضہ کا تحقق نہیں ہوتا جب ان صورتوں میں خبر استفاضہ کا تحقق ہوتا ہی نہیں ہے تو ان آلات کے ذریعے موصول خبروں کو ثبوت چاند کے لئے معتبر کیسے مانا جائے۔ اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے سب سے پہلے استفاضہ کو سمجھنا ہوگا۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا فرماتے ہیں:

(۱) استفاضہ جس اسلامی شہر میں حاکم شرع قاضی اسلام ہو کہ احکام ہلال اسی کے یہاں سے صادر ہوتے ہیں اور خود عالم اور ان احکام میں علم پر عامل وقائم یا کسی عالم دین محقق معتمد پر اعتماد کا ملتزم وملازم ہے، یا جہاں قاضی شرع نہیں تو مفتی اسلام مرجع عوام ومتبع الاحکام ہو کہ احکام روزہ وعیدین اسی کے فتویٰ سے نفاذ پاتے ہیں۔ عوام کالانعام بطور خود عید و رمضان نہیں ٹھہرا لیتے وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب یک زبان اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن بربنائے رویت روزہ ہوا یا عید کی گئی مجرد بازاری افواہ کہ خبر اڑ گئی اور قائل کا پتہ نہیں پوچھئے تو یہی جواب ملتا ہے کہ سنا ہے یا لوگ کہتے ہیں یا بہت پتہ چلا تو کسی مجہول کا انتہا درجہ سند دو ایک شخصوں کے محض حکایت کہ انہوں نے بیان کیا اور رشدہ شدہ شائع ہوگئی ایسی خبر ہرگز استفاضہ نہیں بلکہ خود وہاں کی آئی ہوئی متعدد جماعتیں درکار ہیں جو بالاتفاق وہ خبر دیں یہ خبر اگرچہ نہ خود اپنی رویت کی شہادت ہے نہ کسی شہادت نہ بالتصریح قضائے قاضی پر شہادت نہ کتاب قاضی باشہادت مگر اس مستفیض خبر سے بالیقین یا بہ غلبہ ظن ملتحق بالیقین وہاں رویت وصوم وعید کا ہونا ثابت ہوگا اور جب کہ وہ شہر اسلامی اور احکام وحکام کی وہاں پابندی دوامی ہے تو ضرور مظنون ہوگا کہ امر بحکم واقع ہوا تو اس طریق سے قضائے قاضی کہ حجت شرعیہ ہے ثابت ہوجائے گی اور یہیں سے واضح ہوا کہ تاریک شہر جہاں نہ کوئی قاضی شرع، نہ مفتی اسلام، یا مفتی ہے مگر نااہل جسے خود احکام شرع کی تمیز نہیں جیسے آج کل کے بہت مدعیان خامکار خصوصاً غیر مقلدین وغیرہم فجار یا بعض سلیم الطبع سنی ناقص العلم ناتجربہ کار یا مفتی محقق معتمد عالم مستند ہے مگر عوام خود سر اس کے منتظر احکام نہیں پیش خویش اپنے قیاسات فاسدہ پر جب چاہیں عید و رمضان قرار دے لیتے ہیں ایسے شہروں کی شہرت بلکہ تواتر بھی اصلاً قابل قبول نہیں کہ اس سے کسی حجت شرعیہ کا ثبوت نہ ہوا۔

درمختار میں ہے:

شهدوا انه شهد عند قاضی مصر كذا شاهدان برؤية الهلال و قضی به قضی القاضی بشهادتهما لان قضاء القاضی حجة وشهدوا به لا لو شهدوا برؤية غيرهم لانه حكاية نعم لو استفاض الخبر فی البلدة الاخریٰ لزمهم علی الصحيح من المذهب مجتبیٰ وغيره۔

ردالمحتار میں ہے:

هذه الاستفاضة ليس فيها شهادة علی قضاء قاض ولا علی شهادة لكن لما كانت بمنزلة الخبر المتواتر وقد ثبت بها ان اهل تلك البلدة صاموا يوم كذا لزم العمل بها لان البلدة لا تخلو عن حاكم شرعی عادة فلا بد من ان يكون صومهم مبنيا علی حكم حاكمهم الشرعی فكانت تلك الاستفاضة بمعنی نقل الحكم المذكور الخ۔

اسی میں ہے:

قال الرحمتی معنی الاستفاضة ان تاتی من تلك البلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن اهل تلك البلدة انهم صاموا عن رؤية لا مجرد الشيوع من غير علم بمن اشاعه كما قد تشيع اخبار يتحدث بها سائر اهل البلدة ولا يعلم من اشاعها كما ورد ان فی اٰخر الزمان يجلس الشيطان بين الجماعة و يتكلم بالكلمة فيتحدثون بها و يقولون لا ندری من قالها فمن هذا لا ينبغی ان يسمع فضلا من ان يثبت به حكم اھ قلت: وهو كلام حسن ويشير اليه قول الذخيرة اذا استفاض وتحقق فان التحقق لا يوجد بمجرد الشيوع۔

تنبیہ الغافل والوسنان علی احکام ہلال رمضان میں ہے:

لما كانت الاستفاضة بمنزلة الخبر المتواتر وقد ثبت بها ان اهل تلك البلدة صاموا لزم العمل بها لان المراد بها بلدة فيها حاكم

شرعی الخ۔

دربارۂ استفاضہ یہ تحقیق علامہ شامی کی ہے اور اس تقدیر پر وہ شرائط ضرور ہیں کہ صوم وعید بر بنائے حکم حاکم شرع عالم متبع احکام ہوا کرتا ہو اور ایک صورت یہ بھی متصور کہ دوسرے شہر سے جماعت کثیرہ آئیں اور سب بالاتفاق بیان کریں کہ وہاں ہمارے سامنے عام لوگ اپنی آنکھ سے چاند دیکھنا بیان کرتے تھے جو بیان مورث یقین شرعی تھا ظاہر اس تقدیر پر وہاں کسی ایسے حاکم شرع کا ہونا ضروری نہیں کہ رویت فی نفسہا حجت شرعیہ ہے ۔لقوله ﷺ صوموا لرويته وافطروا لرويته جب جماعت تواتر جماعت تواتر سے ان کی رویت کی ناقل ہے تو رویت بالیقین ثابت ہوگئی اور شہادت کی حاجت نہ رہی کہ اثبات احکام میں تواتر بھی قائم مقام شہادت بلکہ اس سے اقوی ہے کہ شہادت پر خلاف تواتر آئے تو رد کردی جائے اور نفی پر تواتر مقبول ہے اور شہادت نامسموع۔

عالمگیریہ میں محیط سے ہے:

ان وجد كلهم غير ثقات يعتمد علی ذلك بتواتر الاخبار۔

درمختار میں ہے: شهادة النفی المتواتر مقبولة

ردالمحتار میں ہے:

فی النوادر عن الثانی شهدا عليه بقول او فعل يلزم عليه بذلك اجارة او بيع او كتابة او طلاق او عتاق او قتل او قصاص فی مكان او زمان او صفات فبرهن المشهود عليه انه لم يكن ثمه يومئذ لا تقبل لكن قال المحيط فی الحادی و الخمسين ان تواتر عند الناس وعلم الكل عدم كونه فی ذلك المكان و الزمان لا تسمع الدعوی ويقضی بفراغ الذمة لانه يلزم تكذيب الثابت بالضرورة۔

عقود الدریہ میں فتاویٰ صغریٰ سے ہے:

البینۃ اذا قامت علیٰ خلاف المشهور المتواتر لاتقبل وهو ان یشتهر و یسمع من قوم کثیر لایتصور اجتماعهم علی الکذب کلام علماء مثلا قول مذکور۔

درمختار کے لو استفاض الخبر فی البلدۃ الاخریٰ اور قول ذخیرہ قال شمس الائمۃ الحلوائی الصحیح من مذهب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض و تحقق فیما بین اهل البلدۃ الاخریٰ یلزمهم حکم هذه البلدۃ وغیر ذلك بلا شبہ اس صورت کو بھی شامل۔ واللہ تعالیٰ اعلم باحکامه۔

اور ص ۵۵۸ پر فرماتے ہیں: یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ خبر، تار یا خط بدرجہ کثرت پہنچ جائے تو اس پر عمل ہوسکتا ہے اسے استفاضہ میں داخل سمجھنا صریح غلط۔

اور ص ۵۶۲ میں فرماتے ہیں: اور یہ زعم کہ ہم کو تو یقین ہوگیا صحیح نہیں یقین وہ ہے جو حجت شرعیہ سے ناشی ہو۔

استفاضہ جس کے تحقق کی صورتیں بالا بیان سے ظاہر و باہر ہیں کہ وہ شہر اپنے اختیار میں ہو، وہاں قاضی و مفتی با اختیار ہو کہ انہیں کے حکم سے صوم و صلوٰۃ عید و قربانی کے احکام نافذ ہوتے ہیں اور موجودہ دور میں ایسا قاضی و مفتی نہیں تو اس کے تحقق کی صورت نہیں۔

☆ آلات جدیدہ تار، ٹیلیفون، ٹیلیویژن، ریڈیو، فیکس وغیرہم سے ثبوت ہلال ممکن نہیں۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں:

شریعت مطہرہ نے دربارۂ ہلال دوسرے شہر کی خبر کو شہادت کافیہ یا تواتر شرعی پر بنا فرمایا اور ان کو بھی کافی و شرعی ہونے کے لئے بہت قیود و شرائط لگائیں جس کے بغیر ہرگز گواہی و شہرت تک بکار آمد نہیں اور پر ظاہر کہ تار نہ کوئی شہادت شرعیہ ہے نہ خبر

متواتر۔ پھر اس پر اعتماد کیونکر حلال ہوسکتا ہے، جو تار کی خبر پر عمل چاہے اس پر لازم کہ شرعا اس کا موجب و ملزم ہونا ثابت کرے مگر حاشا نہ ثابت ہوگا جب تک کہ ہلال مشرق اور بدر مغرب سے نہ چمکے۔ پھر شرع مطہر پر بے اصل زیادت اور منصب رفیع فتویٰ پر جرأت کس لئے؟ والعیاذ باللہ سبحانہ تعالیٰ۔ اور یہ خیال کہ تار میں خبر تو شہادت کافیہ کی آئی محض نادانی کہ ہم تک تو نامعتبر طریقہ سے پہنچی۔ نبی ﷺ کی خبر سے زیادہ معتبر خبر کسی کی خبر۔ پھر جو حدیث نامعتبر راویوں کے ذریعہ سے آتی ہے کیوں پایۂ اعتبار سے ساقط ہو جاتی ہے۔ (فتاویٰ رضویہ چہارم ص ۵۲۳۔۵۲۴)

☆ مجرد حکایت پر اصلا التفات نہیں بلکہ یا تو اپنے شہر کی شہادت ہو یا شہادت پر شہادت یا قضاء پر شہادت یا شرعی شہرت (استفاضہ) یہ مسئلہ بہت ضروری الحفظ ہے نہ صرف عوام بلکہ آج کل کے بہت مدعیان علم بلکہ بعض ذی علم ناواقف پائے گئے۔

☆ یقین دو طرح کا ہوتا ہے، ایک شرعی کہ طریقہ شرع (شہادت، استفاضہ وغیرہ) سے حاصل ہو۔ دوسرا عرفی کہ باوجود عدم طریقہ شرعی صرف اپنے مقبولات و مسلمات یا تجربات و مشہورات و قرائن خارجیہ کے لحاظ سے اطمینان حاصل ہو جائے۔ ناواقف مدرک عرفی و شرعی میں تفرق نہ جان کر اسے کافی و وافی دلیل شرعی گمان کرتے ہیں حالانکہ یہ صریح خطا ہے۔

☆ ٹیلیگراف، ٹیلیفون، اخبار، جنتری، بازاری افواہ سب محض باطل و نامعتبر ہیں۔

☆ علامہ شامی نے تو چیں جننے کو حوالی شہر کے دیہات والوں کے واسطے دلائل ثبوت ہلال سے گنا، نہ کہ دوسرے شہر اور تمام ملک کے لئے۔ (ازکی الحلال، البدور الاجلہ بطرق اثبات ہلال، فتاویٰ افریقہ)

شہزادۂ اعلیٰ حضرت تاجدار اہل سنت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

بے طریق موجب ثبوت شرعی نہ ہوگا۔ اور جب تک شرعی ثبوت نہ ہوجائے

رویت ہلال مان لینا ناجائز۔ جب دوسرے شہر میں خود معاصر قاضی کی نہیں سنی جاسکتی تو دوسرے شہر سے اس قاضی غائب کی کیسے مسموع ہوسکتی ہے۔ توپ کی آواز اور قنادیل ظاہر ہے کہ اسی شہر و مضافات کے لئے نشانی ہیں جہاں وہ کی گئی ہے قاضی القضاۃ یا خود سلطان کسی کا بھی ریڈیو پر اعلان دوسرے شہر کے لئے ہرگز معتبر نہیں ہوسکتا۔ من جہۃ الشرع ہرگز لازم نہیں کہ سارے شہر میں ایک ہی روز روزہ شروع ہو ایک روز ملک بھر کے مسلمان عید منائیں اس کے لئے قاضی القضاۃ بنایا جائے۔ **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم واللہ تعالیٰ ھو الھادی وھو تعالیٰ اعلم۔**

صدر الشریعہ حضرت مولانا مفتی امجد علی قدس سرہ فرماتے ہیں:

ایک جگہ چاند ہوا تو وہ صرف وہیں کے لئے نہیں بلکہ تمام جہاں کے لئے ہے مگر دوسری جگہ کے لئے اس کا حکم صرف اس وقت ہے کہ اس نزدیک اس دن تاریخ میں چاند ہونا شرعی ثبوت سے ثابت ہو جائے یعنی دیکھنے کی گواہی یا قاضی کے حکم کی شہادت گزرے یا متعدد جماعتیں وہاں سے آکر خبر دیں کہ فلاں جگہ چاند ہوا تار، ٹیلیفون سے رویت ہلال ثابت نہیں ہوسکتی نہ بازاری افواہ اور جنتریوں اور اخباروں میں چھپا ہونا کوئی ثبوت ہے۔

محدث اعظم پاکستان سردار احمد علیہ الرحمہ بانی جامعہ رضویہ ملتان فرماتے ہیں:

ریڈیو کا اعلان نہ چاند دیکھنے کی شہادت ہے اور نہ حکم قاضی پر شہادت ہے اور نہ خبر مستفیض ہے لہذا ریڈیو کا اعلان عید کے چاند کے متعلق قطعاً معتبر نہیں۔ خواہ اعلان کرنے والا قاضی و حاکم سنی ہو یا غیر سنی ہو جو حضرات ریڈیو کے اعلان پر روزہ ترک کرنے اور عید منانے کا فتویٰ دیتے ہیں انہیں چاہئے کہ اپنے فتویٰ پر نظر ثانی کریں۔ اور فقہائے کرام کے صحیح مسلک کے مطابق اپنے فتویٰ سے رجوع کا اعلان کریں ورنہ ان کے فتویٰ کی وجہ سے جن مسلمانوں کے روزے برباد ہوئے وہ ان کے ذمہ دار ہوں۔

مفتی اعظم پاکستان فرماتے ہیں:

در بارۂ رویت ہلال تار، اخبار، ریڈیو، ٹیلیفون، ٹیلیگرام، ٹیلی ویژن، لاسلکی وغیرہ آلات کے ذریعہ خبر اور اعلان شہادت و حکایت ہے۔ لیکن جہاں شہادت درکار وہاں ان آلات کے ذریعہ آئی ہوئی خبریں معتبر نہیں۔ دوسرے شہر میں جب تک دو مسلمان مرد عادل یا ایک مرد دو عورتیں شہادت نہ دیں ریڈیو کا اعلان یا خبر در بارۂ شہادت رویت ہلال معتبر نہیں۔ تا بہ مقدور چاند کی دریافت میں سعی بلیغ کی جائے اگر طریق معتبرہ ہو جائے ورنہ اپنے شہر کے حساب سے عمل کیا جائے۔ (ابو البرکات سید احمد صاحب ناظم مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور)

حضرت مولانا مظہر اللہ صاحب مفتی اعظم دہلی فرماتے ہیں:

شرعاً ریڈیو کی خبر غیر معتبر ہے اگرچہ قاضی القضاۃ خود بنفسہ اس کے ذریعہ اعلان کرے جب کوئی عالم رویت ہلال کا فیصلہ کرکے ریڈیو کے ذریعہ اعلان کرے آخر وہ خبر ہی تو ہوگی نہ خبر مستفیض شرعی اور ثابت کیا جا چکا ہے کہ دوسرے شہروں کے لئے خبر مستفیض شرعی کی ضرورت ہے نہ محض خبر کی اب قاضی کسی سے خبر دلائے یا خود دے بہر حال یہ خبر تو محض خبر رہے گی اور وہ حجت ملزمہ نہیں۔

محدث امروہی حضر علامہ مفتی محمد خلیل کاظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اگر صدر مملکت یا قاضی القضاۃ ثبوت شرعی کے بعد بذریعہ ریڈیو رویت ہلال کا اعلان کرے تو کیا پورے ملک کے لئے کافی ہے؟ الجواب: ریڈیو کے اعلان سے رویت ہلال قواعد شرع کے خلاف ہے۔۔۔ ریڈیو کا اعلان ہرگز شریعت میں معتبر نہیں (محمد خلیل کاظمی)

حضرت مولانا مفتی احمد یار علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں:

چاند میں ریڈیو وغیرہ کسی چیز کا اعتبار نہیں اور ان سے چاند کا ثبوت نہ ہوگا۔ نہ شرعی احکام اس پر مرتب ہوں گے، جو خرابیاں اور دشواریاں تار اور ٹیلیفون میں ہیں اس سے زیادہ دشواری ریڈیو میں موجود ہے۔ لہذا ریڈیو سے اعلان کا کوئی اعتبار نہیں

تار، اخبار، یا ریڈیو کی افواہ کا کوئی اعتبار نہیں۔

۲۲ علمائے کراچی:

اگر مختلف مقامات سے تار یا ٹیلیفون یا لاسلکی یا ریڈیو کے ذریعہ اطلاعات پہنچیں تب بھی شریعت میں ان کا کوئی اعتبار نہیں جس شہر میں رویت ہلال کا شرعی ثبوت ہو چکا اس شہر و مضافات کے لئے مفتی و قاضی وقت یا حاکم وقت کا اعلان یا توپ وغیرہ کی آواز کو معتبر سمجھا جائے۔ آبادی کے لحاظ سے وہ شہر کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو کیونکہ وہاں تصدیق کے اسباب و ذرائع مہیا ہو سکتے ہیں۔ دوسرے شہروں کے لئے یہ اعلانات شرعاً معتبر نہ سمجھے جائیں گے۔

نوٹ: اس فتویٰ پر ۲۲ علماء کے دستخط ہیں جن میں سے بعض مشاہیر علماء کے اسما درج ذیل ہیں:

مولانا مفتی صاحبداد مرحوم، مولانا عبد الحامد بدایونی مرحوم، مولانا محمد محسن صاحب شافعی کراچی، مولانا مفتی ظفر علی صاحب نعمانی کراچی وغیرھم (علمائے کرام کا اہم فتویٰ مطبوعہ کراچی)

۳۱ علمائے ہند:

رویت ہلال کی شہادت گزر جانے کے بعد ریڈیو کے ذریعہ قاضی کے فیصلہ کا اعلان یا خود مفتی یا قاضی کا ریڈیو سے اعلان کرنا کہ ثبوت ہلال ہو گیا غیر معتبر اور دوسرے مقامات کے سننے والوں کے لئے نا قابل عمل ہے وہ اس اعلان کے مطابق بحکم شرع ہرگز ہرگز روزہ یا عید یا قربانی نہیں کر سکتے۔

نوٹ: اس فتویٰ پر ۳۱ علمائے کرام کے دستخط ہیں جن میں سے مشاہیر کے نام حسب ذیل ہیں:

ملک العلماء مولانا ظفر الدین صاحب بہاری، محدث اعظم ہند مولانا سید محمد صاحب کچھوچھوی، شیر بیشہ اہل سنت مولانا محمد حشمت علی صاحب لکھنوی، مفتی اعظم بمبئی مولانا محمد محبوب علی رضوی صاحب، مولانا وجیہ الدین صاحب پیلی بھیت، سید العلماء حضرت علامہ مولانا سید آل مصطفیٰ صاحب مارہروی وغیرہم، (ماہنامہ ماہ طیبہ جنوری، جولائی ۱۹۵۲ء)

علامہ فیض احمد صاحب گولڑہ شریف تحریر فرماتے ہیں:

ریڈیو پر نشر ہونے والا (ہلال کمیٹی) کا اعلان شرعی شہادت کا حکم ہرگز نہیں رکھتا، لہٰذا عید الفطر کے لئے کافی نہیں۔ (فیض احمد خادم دار الافتا گولڑہ شریف)

خواجہ قمر الدین سیالوی عفی عنہ کی تصدیق: اصاب المجیب اللبیب۔

علامہ عطا محمد صاحب بندیال شریف: ریڈیو کے اعلان پر عید منانا جائز نہیں ہے۔

علامہ غلام رسول مفتی جامعہ رضویہ لائل پور: ریڈیو کا اعلان نہ طریق موجب ہے نہ استفاضہ اس سے ہلال عید ثابت نہیں ہو سکتا۔

ابو المظہر جلال الدین صاحب بھکھی شریف: الجواب صحیح۔

فقیہ العصر مفتی محمد شریف الحق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اگر ۲۹ رمضان کو ریڈیو سے یہ خبر نشر ہو یا ٹیلیفون سے کوئی یہ کہے کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا فلاں امام یا مولانا نے تسلیم کر لیا انہوں نے اعلان کر دیا ہے کہ کل یکم شوال ہے تو یہ خبر شرعی اعتبار سے قطعاً ساقط و نا قابل اعتبار ہے اس پر اعتماد کر کے دوسرے دن روزہ نہ رکھنا اور نماز عید پڑھنی ناجائز و گناہ نہ صرف ایک گناہ بلکہ اکٹھے چار گناہوں کا ارتکاب ہے۔

اول: یہ کہ غیر شرعی طریقہ کو شرعی طریقہ جان کر اس پر اعتماد کرنا۔

دوم: دوسرے دن تیس رمضان تھی اس لئے اس دن روزہ رکھنا فرض تھا روزہ نہ رکھا، رکھ کر توڑ دیا تو فرض کو چھوڑ دیا۔

سوم: نمازعید کے نام سے جونماز پڑھی وہ وقت نہ ہونے کی وجہ سے نمازعید نہ ہوئی نفل ہوئی، نمازعید جس خاص ہیئت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے یعنی زائد تکبیروں کے ساتھ ایسی کوئی نفل نماز شروع نہیں تو یہ بنام نماز ایک لایعنی فعل میں مشغولیت ہوئی۔ درمختار میں ہے: **لانہ اشتغال بمالا یصح۔**

چہارم: اس گمان پر کہ نماز پڑھ چکے ہیں، یکم شوال کو نہیں پڑھی، اور نمازعید واجب جسے چھوڑ دیا اور تداعی کے ساتھ نفل کی ادائیگی مزید براں۔ ریڈیو اور ٹیلیفون کی خبر پر روزے سے روکنے والے روزہ توڑوانے والے بڑے زور شور سے یہ اعلان کرتے پھر رہے ہیں کہ عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔

اس پر انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ بطریق شرعی یہ ثابت ہوجائے یہ دن عید کا ہے تو اس دن رکھنا ضرور مکروہ تحریمی ہے۔ حرام قطعی نہیں۔ جب ۲۹ کے چاند کا ثبوت بطریق شرعی نہ ہو تو دوسرے دن بلاشبہ ۳۰ رمضان ہے۔ حدیث گذرچکی فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلاثین۔ جب نظر نہ آئے (یا اس کا شرعی ثبوت نہ ملے) تو ۳۰ کی گنتی پوری کرو۔ اور آپ نے دیکھا اس دن روزہ چھوڑنے اور نمازعید پڑھنے میں اکٹھے چار گناہوں کا ارتکاب لازم آتا ہے۔

تو یہ کون سی عقلمندی اور دیانتداری ہے کہ اس توہم پر کہ عید کا دن ہے کراہت سے بچنے کے لئے چار گناہوں کا ارتکاب کیا جائے۔ روزہ اور نمازعید خالص عبادات ہیں۔ اور ان کے اوقات کی تعیین اور شناخت کا طریقہ خود شارع علیہ السلام نے جیسے بتایا اسی کے مطابق عمل واجب ہے۔ حدیث گذرچکی کہ حضور اقدس ﷺ نے دوسری جگہ سے آئی ہوئی خبر پر اعتماد فرمالیتے تھے۔ پھر کیا وجہ تھی کہ رویت ہلال کی خبر پر بغیر شہادت کے اعتماد نہیں فرمایا۔ ہم اس کے مکلف ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی اتباع کریں، کیوں ایسا حکم ہے اس کے جاننے کے ہم مکلف نہیں۔ انتہی (ملخصاً ماہنامہ اشرفیہ ستمبر ۱۹۸۷ء) مذکورہ بالا بیانات سے روز روشن کی طرح عیاں کہ خبر رسانی کے

جدید ذرائع فون، فیکس، ریڈیو، وغیرہ سے استفاضہ کا تحقق نہیں ہوسکتا۔

(۳) باعتبار شرائط کتاب القاضی الی القاضی کے حجت ہونے میں ائمہ کرام کے درمیان ضرور اختلافات ہیں، کتاب القاضی الی القاضی کے حجت ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔

اول: مسافت کے سلسلے میں فتح القدیر ج۶ ص ۳۸۵ میں ہے:

لابد ان یذکر ادعی المدعی انہ غائب من ھذا البلد مسیرۃ سفر لان بین العلماء اختلاف فی المسافۃ اللتی یجوز فیھا کتاب القاضی الی القاضی فجماعۃ من مشائخنا قالوا لا یجوز فیما دون مسافۃ القصر وبہ قال الشافعی و احمد فی وجۃ .. وحکی الطحاوی عن ابی حنیفۃ و اصحابہ انہ یجوز فیما دون مسافۃ القصر وقال بعض المتأخرین ھذا قول ابی یوسف ومحمد وبہ قال مالک والذی یقتضیہ مذھب ابی حنیفۃ انہ لا یجوز کالشھادۃ علی الشھادۃ الخ.

ثانی: عنوان میں:

مجمع الانہر ج ۲ ص ۱۶۶ میں ہے:

یکتب العنوان فی داخل الکتاب حتی لو کان الظاھر لا یقبل قبل ھذا فی عرفھم۔ اما فی عرفنا العنوان یکتب علی الظاھر فیعمل بہ و فی الدرر ویکتب تاریخ الکتاب ولو لم یکتب فیہ التاریخ لا یقبلہ۔ ویختمہ ای الکاتب بحضرتھم ای بحضرۃ الشھود ویحفظ ای الشھود مافیہ ای ما فی الکتاب انھم یشھدون بہ ویسلمہ ای الکتاب الیھم ای الشھود دفعاً لھمتہ التغییر وھذا عند الطرفین وابویوسف لم یشترط شیئاً من ذلک المذکور الخ.

اسی طرح کتاب سر بمہر کرنے اور اس پر تاریخ لکھنے میں اختلاف ہے جیسا کہ

بالاعبارتوں سے ظاہر و باہر ہوا۔

ثالث: اسماء میں اختلاف:

فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۱۷۳ پر ہے:

عند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ علیه لا یحصل التعریف بذکر اسمه واسم ابیه بل یشترط مع ذلك ذکر الجد وعند ابی یوسف ذکر الجد لیس بشرط وقول محمد رحمه الله تعالیٰ علیه مضطرب وکان القاضی الامام ابو علی السعدی رحمة الله تعالیٰ علیه فی الابتداء لایشترط وهو الصحیح وعلیه الفتویٰ الخ الی ان قال لایجوز فی قول ابی حنیفة رحمة الله تعالیٰ علیه وقول ابی یوسف وزفر یجوز والظاهر ان محمدا رحمة الله علیه مع ابی حنیفة (رضی الله تعالیٰ عنه)

رابع: قرأت کتاب میں۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۳ ص ۱۷۳ میں ہے: ویجب ان یقرأ الکتاب علیهم لیعرفوا ما فیه او لیعلمهم به ان لم یقرأ اذلا شهادة بلا علم ثم یختم بحضرتهم ویسلم الیهم۔ وهذا عند ابی حنیفة و محمد رحمة الله تعالیٰ علیهما و کذا حفظ ما فی الکتاب من وقت التحمل الیٰ وقت الاداء شرط عندهما وقال ابو یوسف رحمة الله علیه آخر لیس شئ من ذلك بشرط۔

خامس: ارسال مکتوب میں: مجمع الانھر ج ۲ ص ۱۶۴ پر ہے: یکتب القاضی بها ای بالشهادة الی القاضی یکون الخصم فی ولایته لیحکم القاضی المکتوب الیه علیٰ وجه الخصم کیلا یکون قضاءً علی الغائب۔

اس کے علاوہ فتح القدیر، فتاویٰ عالمگیری، درمختار، ردالمختار، مجمع الانھر وغیرھا میں ائمہ کے درمیان اختلافات اس باب میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

امام الائمہ سراج الامۃ کشف الغمہ امام اعظم رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے علاوہ

کسی دوسرے مجتہد کے قول پر آج کے حالات میں بھی میرے نزدیک عمل کی گنجائش نہیں۔ محققین تصریح فرماتے ہیں قول امام پر فتویٰ واجب ہے۔ اس سے عدول نہ کیا جائے۔ اور فتویٰ جب مختلف ہو تو ظاہر الروایہ پر عمل واجب۔ اور جو کچھ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے مرجوع عنہ اور متروک ہے۔ بحمدہ تعالیٰ آج کے حالات میں بھی میرے علاقہ میں صوموا لرویتہ وافطروا لرویتہ پر عمل ہے۔ کسی طرح کا اختلاف و انتشار نہیں۔ روزۂ رمضان، عیدین، عاشورہ، بارہویں، گیارہویں، شب معراج، شب براءت رویت سے ہی ہوتے ہیں، تضحیک کی پرواہ نہیں کی جاتی، غیر مسلم طبقہ ایک عید ہی کی تضحیک نہیں کرتے، نماز روزہ عبادات لنگی، ٹوپی، کرتا قمیص، داڑھی، سب کی تضحیک کرتے ہیں، ہمارے یہاں مسلمانوں کے لئے حکومت کی جانب سے تعطیل کا کوئی دن مقرر نہیں پھر بھی مسلمانان نیپال بذوق وشوق اور باطمینان وسکون اپنی تقریبات اپنی تواریخ میں مناتے ہیں۔

نہ جدید آلات وذرائع مواصلات سے اپنی عبادات وشروعات میں استفادہ کے طالب نہ تعطیل حکومت کی پرواہ۔ ہماری شریعت اور اسلامی عبادت نہ فلسفہ قدیم کی رہین منت، نہ آج جدید سائنس اور اس کے مخترعہ آلات جدیدہ کی محتاج نہ اس کے ادا کرنے میں کسی فلسفی یا ماہر ریاضیات و نجوم کے ہم حاجتمند۔ ہمارے لئے حضور اقدس ﷺ کا قانون (صوموا لرویتہ وافطروا لرویتہ) واجب العمل۔ ہمارا دین دین فطرت ہے۔ اس کے احکام عالم، غیر عالم، عورت، مرد پر یکساں حاوی ہیں۔ جس طرح شہروں، دیہاتوں، گاؤں میں رہنے والوں کے لئے ہیں اسی طرح جنگلوں، پہاڑوں، دروں میں رہنے والوں کے لئے ہیں۔ جنہیں نہ جدید آلات میسر ہیں نہ وہ انکا استعمال کرسکتے ہیں۔ ان کے لئے بھی ہماری شریعت کے احکام حاوی ہیں۔ ہمارے اس علاقہ میں تار، ٹیلیفون، ریڈیو وغیرہم کی خبر پر عمل وہابیوں، دیوبندیوں، صلح کلیوں، تبلیغیوں، مودودیوں اور غیر مقلدین کی علامت بن چکی ہے۔ سنی بریلوی حضرات

حکم شرع اور اپنے اسلاف کے طریقے پر عمل پیرا ہیں۔ اپنی جگہ رویت ہلال کی سعی کرتے ہیں نظر آ گیا تو کل روزہ یا عید ورنہ ۳۰ کی گنتی پوری کرتے ہیں۔

دربارۂ ہلال اختلاف و انتشار صرف بد عقیدہ لوگ پھیلاتے ہیں اور یہی لوگ بعض سنیوں کو ورغلاتے ہیں۔ کاش اہل سنت کے علماء، ائمہ مساجد، خطباء اپنے ہر تقریر و بیان میں مسئلہ ہلال بیان کریں کہ تار، ٹیلیفون وغیرہ پر عمل نہ شرع کا حکم ہے اور نہ ہمارے اسلاف اہل سنت کا اور نہ اس پر کبھی ان کا عمل رہا ہے۔ تو ان شاء اللہ المولیٰ تعالیٰ حالات صحیح و درست ہو جائیں گے اور جہاں باب ہلال میں انتشار و افتراق ہیں رفع دفع ہو جائیں گے۔ واللہ الھادی الی طریق السوی۔

(۵) کتاب القاضی الی القاضی کا حجت ہونا خلاف قیاس اجماع صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ثابت ہے۔ فلھذا اس پر نہ دوسرے کا قیاس ہو سکتا ہے نہ اس کے مناط میں اشتراک کی بنیاد پر الحاق ہو سکتا ہے۔

فتاویٰ رضویہ جلد چہارم بحوالہ درمختار ص ۵۲۵ میں ہے: **القاضی یکتب الی القاضی وھو نقل الشھادۃ حقیقۃ ولا یقبل من محکم بل من قاض مولی من قبل الامام الخ ملتقط۔** فتح میں ہے: **ھذا النقل بمنزلۃ القضاء ولھذا لا یصح الا من القاضی غیر قضاۃ۔** تو یہیں سے الگ ہوئے۔ رہے قاضی ان کی نسبت صریح ارشاد کہ اس بارے میں نامۂ قاضی کا قول بھی اس وجہ سے ہے کہ صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے برخلاف قیاس اس کی اجازت پر اجماع فرمالیا ورنہ قاعدہ یہی چاہتا ہے کہ اس کا خط بھی انہیں وجوہ سے جو اوپر گذریں مقبول نہ ہو اور پر ظاہر کہ جو حکم خلاف قیاس مانا جاتا ہے مورد سے آگے تجاوز نہیں کر سکتا اور دوسری جگہ اس کا اجرا محض باطل و فاحش خطا پھر حکم قبول خط سے گزر کر تار تک پہنچنا کیونکر روا۔ ائمہ دین تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ قاضی اپنا آدمی بھیجے بلکہ بذات خود ہی آ کر بیان کرے کہ میرے سامنے گواہیاں گزریں ہرگز نہ سنیں گے کہ اجماع تو

صرف دربارۂ خط منعقد ہوا ہے۔ پیام ایلچی و خود بیان قاضی اس سے جدا ہے۔

علامہ محقق علی الاطلاق شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ **الفرق بین رسول القاضی و کتابہ حیث یقبل کتابہ لا یقبل رسولہ فلان غایۃ رسولہ ان یکون کنفسہ وقدمنا انہ لو ذکر ما فی کتابہ لذلک القاضی بنفسہ لا یقبلہ وکان القیاس فی کتابہ کذلک الا انہ اجیز باجماع التابعین علی خلاف القیاس فاقتصر علیہ۔**

(۶) فیکس اور ای میل کا الحاق کتاب القاضی الی القاضی سے نہیں ہو سکتا کہ کتاب القاضی الی القاضی کے شرطوں میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ قاضی کاتب کا مکتوب دو عادل گواہ لے کر دوسرے قاضی مکتوب الیہ کے پاس جائے۔ فیکس اور ای میل کے ساتھ کون سے دو گواہ عادل جاتے ہیں؟ بنابریں فیکس اور ای میل کا الحاق کتاب القاضی الی القاضی سے نہیں ہو سکتا۔ **ھذا ما ظھر لی والعلم بالحق والصواب عند ربی والیہ المرجع والمآب۔**

(۷) توپ کی آواز اور قنادیل کی روشنی اسی شہر و مضافات کے لئے علامت ہے وہ بھی بشرائط شروط کہ وہ جگہ اسلامی شہر ہو۔ وہاں حاکم شرع، قاضی اسلام ہو کہ احکام ہلال اسی کے قضا سے صادر ہوتے ہیں یا جہاں قاضی شرع نہیں تو مفتی اسلام مرجع عوام متبع الاحکام ہو کہ احکام روزہ و عیدین اس کے فتوے سے نفاذ پاتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۵۵۴ پر فرماتے ہیں: علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے توپیں سننے کو بھی حوالی شہر کے دیہات والوں کے واسطے دلائل ثبوت ہلال سے گنا ہے یہاں بھی وہی شرائط شروط ہوں گے کہ اسلامی شہر میں حاکم شرع معتمد کے حکم سے انتیس کی شام کو توپوں کے فائر صرف بحالت ثبوت شرعی رویت ہلال ہوا کرتے ہیں۔ کسی کے آنے جانے کی سلامی وغیرہ کا اصلاً احتمال نہ ہو۔ ورنہ شہر اگرچہ اسلامی ہو مگر وہاں احکام شرعیہ کی قدر نہیں، احکام جہال بے خردی نیچری، رافضی

وغیرہم بدمذہبوں کے حوالے ہیں جنہیں نہ تو قواعد شرعیہ معلوم نہ ان کے اتباع کی پرواہ اپنی رائے ناقص میں جو آیا اس پر حکم لگا دیا تو ہیں چل گئیں تو ایسی بے سروپا باتیں کیا قابل لحاظ ہو سکتی ہیں۔ کما لا یخفیٰ اس سے ظاہر کہ ریڈیو، تار وغیرہ کے ذریعہ ندا سننے والوں کے لئے حجت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

(۸) بے شک فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ قاضی کا حکم اس کی پوری ولایت قضاء میں نافذ ہے، ثبوت ہلال کا معاملہ اس حکم سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ ولایت قاضی کی تحدید سلطان کی جانب سے ہوگی۔ جس قاضی شرع کو فصل مقدمات کے لئے جتنی مقدار مسافت پر والی فرمایا ہو اس قاضی کا حکم اسی مسافت تک محدود رہے گا۔ سلطان نے ایک شہر پر یا پورے ضلع، یا پورے صوبہ، یا پورے ملک پر اسے والی فرمایا ہو اس کا وہ قاضی ہوگا مگر قاضی القضاۃ یا خود سلطان کسی کا بھی ریڈیو پر اعلان دوسرے شہر کے لئے ہرگز معتبر نہیں ہو سکتا، من جہۃ الشرع ہرگز لازم نہیں کہ سارے شہر میں ایک ہی روز روزہ شروع ہو۔ ایک ہی روز ملک بھر کے مسلمان عید منائیں اس کے لئے قاضی القضاۃ بنایا جائے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم واللہ تعالیٰ ھو الھادی وھو تعالیٰ اعلم۔

یہ ارشاد ہے حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کا ہے۔

اسی طرح دربارۂ رویت ہلال تار، اخبار، ریڈیو، ٹیلیفون، ٹیلیگرام، ٹیلیویژن، لاسلکی وغیرہ آلات کے ذریعہ خبر اور اعلان شہادت حکایت ہے لیکن جہاں شہادت درکار ہو وہاں ان آلات کے ذریعہ آئی ہوئی خبر معتبر نہیں۔ دوسرے شہر میں جب تک دو مسلمان مرد عادل یا ایک مرد دو عورتیں شہادت نہ دیں ریڈیو کا اعلان یا خبر دربارۂ شہادت رویت ہلال معتبر نہیں جیسا کہ مفصل بیان بدلائل نمبر ۲ سے گذرا۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

محمد جیش محمد صدیقی برکاتی

شیخ الجامعہ جنک پور دھام (نیپال) ۱۱ رجمادی الاخری ۱۴۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ حضرت مولانا خالد حسین صاحب اور حافظ محمد عمران صاحب مدرس جامعہ قادریہ مقصود پور نے ہمارے سامنے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ۲۹ رذی قعدہ ۱۴۱۳ھ بروز سنیچر کو میں نے چاند دیکھا اس لئے بروز اتوار یکم ذی الحجہ کا آغاز ہے اور نماز عید الاضحیٰ یکم جون بروز منگل ادا کی جائے گی اعلان ہر جگہ کر دیئے اور بعد میں لوگوں نے پکڑ کیا کہ حضرت پورے ہندوستان میں تمام جگہ بدھ کے روز نماز ہے اور آپ اعلان کر دیا ہے منگل کا، یہ غلط ہے تو حضرت انکار کر گئے اور پھر قبول کر لئے حتی کہ کئی مرتبہ انکار کئے اور قبول کئے اسی دوران کئی جگہ لڑائی بھی ہو گئی اور آج بھی امسال لڑائی ہونے کا اندیشہ ہے اس لئے فتویٰ کی بات آئی ہے۔ کہ ہمارے سنی ادارہ سے فتویٰ آجائے گا تو ہم لوگ مان لیں گے۔ برائے کرم حدیث وقرآن کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ بستی کا امام ان کے فتویٰ کو نہ مانا امام صاحب کا کہنا تھا کہ ہر جگہ لوگ نماز پڑھیں گے تو میں بھی نماز پڑھا دوں گا اور بستی میں مفتی صاحب کے فتویٰ کو لے کر پارٹی چلنے لگی اسی دوران میں لوگوں نے کہا کہ مفتی صاحب امام صاحب نے آپ کو گالی دی ہے تو مفتی صاحب نے اس امام پر فتویٰ لگایا کہ ایک عالم ایک عالم کو گالی دیتا ہے تو وہ ایمان سے خارج ہو گیا۔ ان کے پیچھے نماز جائز نہیں جب توبہ کر لیں تو مسلمان کہلانے کا حق ہے ورنہ نہیں۔ کیا یہ بات سچ ہے جب کہ غلط بات ہے ایسے مفتی یا عالم کی بات ماننا چاہئے یا نہیں؟ اور ایسے عالم پر شریعت کا کیا حکم ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

محمد اشفاق الرحمن، کوکلی

۹۲/۷۸۶

الجواب بعون الملک الوھاب: مطلع صاف ہونے کی صورت میں بقرعید کے چاند کے ثبوت کے لئے دو ثقہ کی گواہی بھی کافی نہیں بلکہ جب تک بہت سے لوگ گواہی نہ دیں چاند کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ اور مطلع ناصاف ہونے کی صورت

میں دو عادل ثقہ کی گواہیاں کافی ہیں۔ حکم شرع کے مطابق عمل ہو تو اختلاف کیوں ہو پورے ہندوستان یا پاکستان میں عید ہونے نہ ہونے سے چاند کا ثبوت نہ ہوگا۔ مؤمن کو گالی دینا فسق ہے۔ حدیث شریف میں ہے: "**سباب المؤمن فسق**" اور علم دین اور علما کی توہین بے سبب یعنی محض اس وجہ سے کہ عالم دین ہے کفر ہے اور جب دونوں طرف عالم و مفتی ہیں اور دونوں کو مسئلہ شرع کے مطابق عمل کرنا ہے اور اپنی اپنی باتیں جانتے ہیں تو دونوں اپنے اپنے قول و فعل کو شرع کی کسوٹی پر پرکھیں اور ضد کو چھوڑیں اور مطابق شرع عمل کریں۔ فتویٰ سوال کے مطابق دیا جاتا ہے مفتی پر ہر بات کی تحقیق ضروری نہیں ہے ہاں جوبات کسی کی طرف غلط منسوب کی گئی اور استفتاء میں وہ بات لکھ کر دریافت کیا گیا حالانکہ وہ بات اس میں پائی نہیں جاتی تو فتویٰ صحیح ہوتے ہوئے بھی اس پر لاگو نہ ہوگا تو جس نے غلط کہہ کر فتویٰ حاصل کیا وہ گنہگار ہوگا۔ عند الشرع ماخوذ نہ مفتی اور نہ وہ جس کے لئے فتویٰ حاصل کیا گیا اور واقعی اس میں خلاف شرع بات پائی جاتی ہے تو سچی توبہ کرے، ضد نہ کرے اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔**

۵/ ۱۲/ ۱۴۱۴ھ

منجانب: یار محمد خاں یار خانقاہ محلہ انوار محمدیہ، روضہ شریف

محترمی ومکرمی حاجی الحرمین الشریفین حضرت علامہ مفتی اعظم وشیر نیپال صاحب قبلہ مدظلہ العالی دامت برکاتہم العالیہ القدسیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون مع الخیر رہ کر داعی الخیر ہوں۔ گذارش یہ ہے کہ ذیل میں دو مسئلہ دریافت طلب ہیں جواب لکھ کر موقع شکریہ بخشیں گے۔

(۱) امسال اس عیدالاضحیٰ کا چاند ہم لوگ یہاں دیکھ نہیں سکے چونکہ بادل کافی

لگا ہوا تھا الغرض ابھی تک کہیں سے کوئی تصدیقی خبر بھی نہیں مل سکی۔ سنا ہوں جمعہ میں مولوی تسلیم الدین نے بدھ کے روز عید پڑھنے کا اعلان کیا ہے جب کہ چاند کسی نے انتیس کو نہ دیکھا بعض بعض لوگ بولتے ہیں کہ جنک پور میں لوگوں نے انتیس کا چاند دیکھا ہے اس لئے کیا یہ افواہ صحیح ہے یا غلط؟ جب کہ حکم شرعی انتیس کو چاند نہ دیکھنے پر مہینہ کا تیس پورا کرے عید وغیرہ منائے۔ تو حضرت لوگ کس روز عید منائیں گے؟

الجواب بعون الملک الوھاب:

وعلیکم السلام ثم السلام وعلیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ

خداوند کریم جل وعلی اپنے حبیب رؤف ورحیم کے صدقے ہم کو آپ کو جمیع مسلمین کو سلامت رکھے اور ہدایت پر رکھے۔ آمین ثم آمین ثم آمین! رویت ہلال کی شہادتیں راقم السطور کے پاس گذر چکی ہیں، جامعہ کے قابل اطمینان طلبہ نے ۲۹/ ذیقعدہ ۱۴۲۳ھ معتبر شہادت دی ہے پھر مختلف جگہوں لہنہ، پوکھرا، مورنگ وغیرہ سے خبریں آئیں کہ یہاں بھی چاند انتیس کو ہوا چہارشنبہ یعنی بدھ کو نماز عید ہے راقم کی طرف سے ایک علانیہ چھپا ہے اطراف والے طلبہ وغیرہ لے کر گئے ہیں تعجب ہے کہ آپ تک نہیں پہنچا اس حامل فتویٰ کے ساتھ ایک بھیج رہا ہوں۔ والسلام مع الاحترام

طالب دعا: جیش محمد صدیقی برکاتی حوفظ عن المعاصی

(۱) عیدالاضحیٰ کا چاند یہاں دیکھا گیا ہے آج شنبہ چھ تاریخ ہے اور چہارشنبہ قربانی ہے۔

۹۴/ ۷۸۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں۔

(۱) کہ روزہ رکھ کر آنکھ میں دوا ڈل سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ آنکھ آ گئی ہو۔ اگر ڈال لی گئی تو روزہ اور روزہ دار کا کیا حکم ہے؟

(۲) قرآن مجید کی سورہ یا آیت کریمہ سے دعا، تعویذ یا جھاڑ پھونک مثلاً سانپ کاٹے کا جھاڑنا وہابی، دیوبندی، کافر وغیرہ بدمذہب کو کرنا کیسا ہے۔ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) کسی حنفی کی شادی وہابیہ سے ہوئی، نکاح وہابی نے پڑھایا، یا مجلس میں وہابی، حنفی دونوں مذہب کے لوگ شریک تھے۔ اب شریعت کا اس میں کیا حکم ہے کہ حنفی کا نکاح درست ہو یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو مجلس میں جو حنفی مذہب کے لوگ شریک تھے اس کا کیا حکم ہے؟

سائل محمد طیب جوہر القادری
مقام ہرنے، پوسٹ ہرلاکھی، ضلع مدھوبنی (بہار)
۲۹ ربیع النور شریف ۱۴۰۸ ہجری

الجواب بعون الملك الوهاب

(۱) حالت روزہ میں آنکھ میں دوا ڈال سکتے ہیں، اس سے روزہ دار کا روزہ نہ ٹوٹے گا۔ فتاویٰ عالمگیری ج:۱ ص:۲۰۴ میں ہے **ولو اقطر شيئاً من الدواء في عينه لا يفسد صومه عندنا وان وجد طعمه في حلقه۔**

ترجمہ: اگر اپنی آنکھ میں روزہ دار نے دوا ڈالی تو اس کا روزہ ہمارے نزدیک فاسد نہ ہوگا اگرچہ دوا کا مزہ حلق میں محسوس ہو۔

(۲) مرتد جماعت کے علاوہ سب کے لئے کر سکتے ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ صحابہ سے کچھ لوگ سفر میں تھے۔ ان کا گزر قبائل عرب میں سے ایک قبیلہ پر ہو انہوں نے ضیافت کا مطالبہ کیا، انہوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا۔ ان قبیلہ کے سردار کو سانپ یا بچھو کاٹ لیا۔ اس کے علاج میں انہوں نے ہر قسم کی کوشش کی مگر کوئی کارگر نہ ہوئی، پھر انہیں میں سے کسی نے کہا یہ جماعت جو یہاں آئی ہے ان کے پاس چلو، شاید کہ ان میں سے کسی کے پاس اس کا کوئی علاج ہو، وہ لوگ صحابہ کے

پاس حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہمارے سردار کو سانپ یا بچھو نے ڈس لیا ہے اور ہر قسم کی کوشش کی ہے مگر کچھ نفع نہ ہوا کیا تمہارے پاس اس کا کچھ علاج ہے، ایک صاحب بولے ہاں میں اس وقت جھاڑوں گا تم اس کی اجرت دو۔ اجرت میں بکریوں کا ریوڑ دینا طے پایا۔ ایک روایت میں تیس بکریاں دینا طے پایا۔ انہوں نے **الحمد لله رب العلمين** یعنی سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرنا شروع کیا۔ وہ شخص بالکل اچھا ہو گیا اور وہاں سے ایسا ہو گیا کہ اس پر زہر کا کچھ اثر نہ تھا۔ اجرت جو مقرر ہوئی تھی انہوں نے پوری دے دی۔ ان میں کے بعض نے کہا اس کو آپس میں تقسیم کر لیا جائے۔ مگر جنہوں نے جھاڑا تھا یہ کہا ایسا نہ کرو بلکہ جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو لیں گے اور حضور سے تمام واقعات عرض کر لیں گے، پھر حضور اس کے متعلق جو کچھ حکم دیں گے وہ کیا جائے گا۔ جب یہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔ ارشاد فرمایا تمہیں (اس کا رقیہ جھاڑ ہونا) کیسے معلوم ہوا اور یہ فرمایا کہ تم نے ٹھیک کیا۔ آپس میں اسے تقسیم کر لو اور (اس لئے کہ اس میں جواز کے متعلق ان کے دل میں کوئی خدشہ نہ رہے) یہ فرمایا کہ میرا بھی ایک حصہ مقرر کر لو اتنی۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جھاڑ پھونک کی اجرت لینا جائز ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ اگر جھاڑ پھونک کسی کافر مشرک کے لئے کیا جائے تو یہ بھی جائز ہے جبکہ قرآن سے یا ایسی دعاؤں سے جن میں ناجائز اور باطل الفاظ نہ ہوں کذا فی العینی علی هامش البخاری ج:۱ ص:۳۰۴ بخاری شریف کے الفاظ مبارک یہ ہیں **عن ابي سعيد قال انطلق نفر من اصحاب النبي ﷺ في سفرة سافروها حتى نزلوا على حي من احياء العرب فاستضافوهم فابوا ان يضيفوهم فلدغ سيد ذلك الحي فسعوا له بكل شيء لا ينفعه فقال بعضهم لو اتيتم هؤلاء الرهط الذين نزلوا لعله ان يكون عند بعضهم شيء ينفعه فهل عند احد منكم من شيء، فقال بعضهم نعم والله اني**

لارقی ولکن واللہ لقد استضفنٰکم فلم تضیفونا فما انا براق لکم حتیٰ تجعلوا لنا جعلا فصالحوھم علیٰ قطیع من الغنم فانطلق یتفل علیہ ویقرأ الحمد للہ رب العٰلمین فکانما نشط من عقال فانطلق یمشی ومابہ قلبۃ قال فاوفوھم جعلھم الذی صالحوھم علیہ فقالوا بعضھم اقسموا فقال الذی رقی لاتفعلوا حتیٰ ناتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فنذکر لہ الذی کان فننظر مایامرنا فقدموا علیٰ رسول اللہ ﷺ فذکروا لہ فقال ومایدریک انھا رقیۃ ثم قال قد اصبتم اقسموا واضربوا لی معکم سھماً انتہی الفاظ البخاری ج:۱ص:۳۰۴

وہابی، دیوبندی، چکڑالوی چونکہ مرتد ہیں اور مرتد سے کسی طرح کا معاملہ جائز نہیں۔ ان کے بارے میں حدیث شریف میں ہے۔ ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم۔ یعنی ان سے دور رہو اور اپنے سے انہیں دور رکھو کہیں گمراہ نہ کردیں کہیں فتنہ نہ برپا کردیں۔ بیمار پڑ جائیں تو نہ بیمار پرسی کرو اور مر جائیں تو نہ جنازہ پڑھو۔

(۳) نکاح ہرگز نہ ہوا اور جانتے بوجھتے جو لوگ شرک ہوئے وہ گنہگار ہوئے توبہ کرے۔

۹۲/۸۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ہذا میں کہ

اگر ۲۹ رمضان کو کسی نے چاند نہیں دیکھا تو کل ہو کر لوگوں نے ریڈیو کی خبر سن کر ضد کیا کہ ہم ریڈیو کی خبر پر عید منائیں گے تو امام نے روزہ کی حالت میں عید کی نماز پڑھائی وہ نماز ہوئی یا نہیں؟ اس کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں۔

المستفتی: محمد غلام محی الدین، دھولی بازار، ضلع جھوں، نیپال

۱۱/۱۱/۱۴۰۹ہجری

ہرگز نہ ہوگی روزہ رکھ کر پڑھائے یا بے روزہ پڑھائے جن لوگوں نے ریڈیو کی خبر پر عید کرلی نماز پڑھ لی ان کی عید اور نماز سب باطل ہوئی اور ان پر چار گناہ ہے اول گناہ عظیم روزہ رمضان کا عمداً ترک کہ وہ دن ان کے لئے رمضان تھا، دوم نفل کا بجماعت کثیرہ پڑھنا کہ وہ نماز عید کہ انہوں نے پڑھی نماز عید نہ تھی۔ نافلہ محضہ ہوئی اور نفل کا جماعت کثیر کرکے پڑھنا گناہ۔ سوم واجب نماز عید کا ترک کہ دوسرے دن ان کے لئے عید تھی، اس دن نماز نہ پڑھی چہارم شریعت میں دل سے نیا حکم گڑھنے کا وبال شدید گرچہ بعد کو تحقیق ہوجائے کہ جس دن انہوں نے نماز پڑھی تھی اسی دن عید تھی کیونکہ رویت ہلال میں ریڈیو تار ٹیلیفون بازاری افواہ اخبار اشتہار محض بے اعتبار۔

قال ﷺ صوموا الرؤیۃ وافطروا الروؤیۃ اخرجہ الشیخان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید مناؤ۔ یہ حدیث بخاری شریف اور مسلم شریف دونوں میں ہے۔ قال تعالیٰ ولتکملوا العدۃ اور اس لئے کہ تم گنتی پوری کرو اس کے تحت خزائن العرفان میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے تو چاند دیکھ کر روزے شروع کرو اور چاند دیکھا کرو افطار اگر انتیس رمضان کو چاند کی رویت نہ ہو تو تیس دن کی گنتی پوری کرو۔ کتب فقہیہ میں تصریح ہے کہ خود رویت ہو یا رویت بطریق موجب ثابت ہو جس کی تفصیل فرماتے ہیں۔ شہادت ہو یا شہادت علی الشہادت علی الحکم یا استفاضہ مع التحقیق مجرد حکایت اگرچہ متعدد ثقات عدول کریں تصریح ہے کہ مقبول نہیں فتاوی رضویہ جلد چہارم ص: ۵۴۳ مذکورہ بالا بیان سے عیاں ہوگیا کہ جن لوگوں نے ریڈیو کی خبر پر عید کرنے کے لئے بضد ہوئے اور عید منالی سب گنہگار مستحق عذاب نار ہوئے صدق دل سے توبہ کریں کہ آئندہ شریعت میں بے باکی وجرات نہ کریں گے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

۲۶/۱۲/۱۴۰۹ہجری